بعض غیر مسلموں کی طرف سے بطور اعتراض پیش کردہ

قرآنی آیات

کا پس منظر اور صحیح مفہوم

تالیف

حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصورپوری
(مفتی واستاذ حدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد)

پیشکش

مفتی ظہیر احمد نصیر ملّی
(استاذ و مفتی دارالافتاء معہد ملت، مالیگاؤں)

طابع وناشر
مکتبۂ نصیرالاسلام، مالیگاؤں

نام کتاب : قرآنی آیات کا پس منظر اور صحیح مفہوم

تالیف : حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری
(مفتی واستاذ حدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد)

پیشکش : مفتی ظہیر احمد نصیر ملی (استاذ و مفتی دارالافتاء معہد ملت، مالیگاؤں)

کل صفحات : 48

تعداد : 1000

سن اشاعت : شعبان ۱۴۴۲ھ مطابق مارچ ۲۰۲۱ء

طباعت : ملت پرنٹرس 9373918010

قیمت : 30 روپئے

کمپوزنگ : رضوان حارث، اعظم پورہ، مالیگاؤں 9270315468

ڈیزائننگ : ابوسعودہ مریم ندوی 9373918010

طابع وناشر : مکتبۂ نصیرالاسلام، مالیگاؤں

کتاب ملنے کے پتے

(۱) مفتی ابن نصیر ملیؔ انصاری (امام وخطیب مسجد بیت الجلیل مالیگاؤں) 8623925611

(۲) حضرت مولانا زبیر احمد صاحب ندیمؔ ملی (معہد ملت کیمپس، مالیگاؤں) 9922859323

(۳) مفتی محمد فیضان صاحب ملی ندوی (امام وخطیب نذیریہ مسجد، مالیگاؤں) 8208467577

(۴) مولانا احمد فراز صاحب ملی (استاذ مدرسہ مشکوٰۃ الخیر، مالیگاؤں) 8087626212

(۵) حافظ عبدالرحیم صاحب ملی (امام وخطیب یوسفیہ مسجد، مالیگاؤں) 9112695756

(۶) حافظ مقیم احمد صاحب ملی (امام وخطیب مسجد ساجدہ محمد یعقوب، مالیگاؤں) 9028926016

(۷) مفتی ابوالقیم ملی (ناظم مکتبہ نصیرالاسلام، پوارواڑی، مالیگاؤں) 8623925611

(۸) حافظ محمد حذیفہ ملیؔ (متعلم معہد ملت، مالیگاؤں) 8149778879

پیش لفظ

قرآن کریم اللہ رب العزت کی ایک ایسی بے مثال کتاب ہے جو ابتداء سے انتہاء تک سچ اور حق ہے جو نہ صرف مسلمانوں کے لیے بلکہ غیر مسلموں کے لیے بھی ذریعۂ ہدایت ونجات اخروی کا سبب ہے جس کا ایک لفظ تو کیا ایک حرف بلکہ ایک نقطہ بھی آج تک نہ کسی نے بدلا ہے اور نہ تاقیامت بدل سکے گا تاریخ میں ایسے بدبختوں اور بدنصیبوں کا ذکر موجود ہے جن پر ہر عاشق قرآن لعنت بھیجتا ہے جنہوں نے قرآن کریم میں تغیر وتبدیلی کرنا چاہا لیکن خود اللہ رب العزت نے اس کی ہر اعتبار سے حفاظت فرمائی، ماضی قریب میں بھی موقع بموقع فرقہ پرست اور فسطائی تنظیموں سے وابستہ افراد اپنے بیانات اور تحریروں کے ذریعے قرآن کریم پر یہ اعتراض کرتے رہے ہیں کہ قرآن کریم کی ان آیات کو قرآن سے نکال دیا جائے جو ان بے لگام اور بدزبان افراد کے بقول ”مسلمانوں کو غیر مسلموں سے نفرت اور جنگ کی تعلیم دیتی ہیں“۔ اس اعتراض کے جواب میں ہندوستان کے مایہ ناز عالم ومفتی دین متین مدیر ندائے شاہی مرادآباد حضرت مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری مدظلہٗ جو دارالعلوم دیوبند کے کارگذار مہتمم مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوری کے فرزند ارجمند اور شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی کے نواسے ہیں۔ آپ نے ۲۰۰۲ء میں اپنے بڑے ماموں جان امیر الہند مولانا سید اسعد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کے حکم پر مذکورہ مضمون لکھا تھا جو اوّلاً ندائے شاہی مرادآباد میں تین قسطوں میں شائع ہوا تھا پھر جمعیۃ علمائے ہند کے ۲۷ویں اجلاس عام کے موقع پر باقاعدہ کتابچہ کی شکل میں منظر عام پر آیا تھا۔

ابھی چند دن قبل ایک مرتد، ملعون و مردود جس کا نام وسیم رضوی ہے لیکن کام کے اعتبار سے خبیث ابلیسی ہے اس نے قرآن کریم کی چند آیتوں کے بارے میں یہ بیان دیا کہ وہ قرآن کریم سے نکال دینے کے قابل ہیں اور آگے مزید خبیث ابلیسی نے سپریم کورٹ میں چیلنج کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ ہندوستان کے کئی عاشق قرآن نے اس کو منہ توڑ جواب دیا اس کے باوجود یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جن آیات پر یہ اور اس طرح کے شیطان کے چیلے اعتراض کرتے ہیں اور ان کا جواب دیا گیا ہے، انہیں کتابی شکل میں شائع کر کے اللہ کے ان بندوں تک پہونچایا جائے جو قرآن کریم کو مانتے ہیں اور ان تک بھی جو قرآن کریم کو نہیں مانتے تا کہ ماننے والے اعتراض کے جواب جان سکیں تو نہ ماننے والوں کے دلوں سے غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جائے۔

اس کے لیے راقم کی نظر حضرت مفتی صاحب کے مذکورہ کتابچہ پر گئی جسے راقم اپنے مکتبۂ نصیر الاسلام مالیگاؤں سے طبع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے اور ساتھ ہی حضرت مفتی صاحب اور استاذ محترم حضرت مولانا زبیر احمد صاحب ملی ندیمی جنہوں نے کتاب پر از اول تا آخر نظر ثانی فرمائی دونوں کے لیے دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ دونوں کا سایہ امت پر تادیر قائم رکھے اور امت کو آپ دونوں سے استفادہ کی توفیق بھی بخشے۔ آمین

طالب دعائے خیر

ظہیر احمد نصیر ملی

۱۳؍شعبان المعظم ۱۴۴۲ھ

۲۷؍مارچ ۲۰۲۱ء

قرآن کریم نا قابل ترمیم ہے

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم، أما بعد!

یہ بات ساری دنیا پر آشکارا رہنی چاہیے کہ قرآن کریم سچی آسمانی کتاب ہے، اور اللہ رب العالمین کا کلام ہے، اس میں تا قیامت کسی تبدیلی اور تغیر کا نہ تو امکان ہے اور نہ کسی کو اختیار ہے۔ اس کے زیر، زبر، نقطے اور اعراب تک جوں کے توں محفوظ ہیں۔

یہ کسی انسان کی تصنیف نہیں ہے کہ ہر نئے ایڈیشن میں زمانہ اور حالات کے اعتبار سے تبدیلی اور کتر بیونت کر دی جائے، اللہ رب العزت کا دائمی کلام ہے، جس میں دخل دینے کا کسی انسان کو ذرہ برابر حق نہیں ہے۔ یہ کلام لوحِ محفوظ سے بحفاظت پیغمبر آخر الزماں سیدنا حضرت محمد مصطفی ﷺ کے قلب اطہر پر اتارا گیا اور پھر اس کی مکمل حفاظت کا خدائی انتظام کیا گیا۔ قرآن کا تعارف کراتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ○ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ○ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ○

(الشعراء: ۱۹۲۔ ۱۹۵)

اور قرآن رب العالمین کا بھیجا ہوا ہے، اس کو امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے، آپ کے قلب پر، صاف عربی زبان میں؛ تا کہ آپ بھی منجملہ ڈرانے والوں کے ہوں۔

قرآن کریم کے برحق، دائمی اور اٹل ہونے کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ امتی تو درکنار خود صاحب قرآن حضرت محمد مصطفی ﷺ کو بھی اپنی طرف سے اس میں اضافہ یا کمی کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ ایک جگہ قرآن کریم میں نہایت زوردار انداز میں اعلان فرمایا گیا:

وَلَوۡ تَقَوَّلَ عَلَيۡنَا بَعۡضَ الۡاَقَاوِيۡلِ ۝ لَاَخَذۡنَا مِنۡهُ بِالۡيَمِيۡنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعۡنَا مِنۡهُ الۡوَتِيۡنَ ۝ فَمَا مِنۡكُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ عَنۡهُ حٰجِزِيۡنَ ۝ وَاِنَّهٗ لَتَذۡكِرَةٌ لِّلۡمُتَّقِيۡنَ ۝ وَاِنَّا لَنَعۡلَمُ اَنَّ مِنۡكُمۡ مُّكَذِّبِيۡنَ ۝ وَاِنَّهٗ لَحَسۡرَةٌ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ ۝ وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الۡيَقِيۡنِ ۝

(الحاقۃ: ۴۴۔۵۱)

اور اگر یہ پیغمبر ہمارے ذمہ کچھ جھوٹی باتیں لگادیتے، تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑتے، پھر ان کی شہ رگ کاٹ ڈالتے، پھر تم میں کوئی ان کا اس سزا سے بچانے والا بھی نہ ہوتا، اور بلاشبہ یہ قرآن متقیوں کے لیے نصیحت ہے اور ہم کو معلوم ہے کہ تم میں بعض تکذیب کرنے والے بھی ہیں (پس ہم ان کو اس کی سزا دیں گے) اور یہ قرآن کافروں کے حق میں موجب حسرت ہے، اور یہ قرآن تحقیقی یقینی بات ہے۔

دشمنان اسلام اور کفار کی طرف سے قرآن میں تبدیلی کا مطالبہ کوئی نیا نہیں، بلکہ دورِ نبوت میں بھی کفار نے اسی طرح کا مطالبہ نبی اکرم ﷺ سے کیا تھا، اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس طرح دیا:

وَاِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيۡنَ لَا يَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا ائۡتِ بِقُرۡاٰنٍ غَيۡرِ هٰذَاۤ اَوۡ بَدِّلۡهُ ؕ قُلۡ مَا يَكُوۡنُ لِىۡۤ اَنۡ اُبَدِّلَهٗ مِنۡ تِلۡقَآئِ نَفۡسِىۡ ۚ اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوۡحٰۤى اِلَىَّ ۚ اِنِّىۡۤ اَخَافُ اِنۡ عَصَيۡتُ رَبِّىۡ عَذَابَ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ۝ (یونس:۱۵)

اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں جو بالکل صاف صاف ہیں تو یہ لوگ جن کو ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں ہے آپ سے یہ کہتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی دوسرا قرآن لائیے یا اس میں کچھ ترمیم کر دیجئے۔ آپ کہہ دیجئے کہ: مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ میں اپنی طرف سے ان میں ترمیم کر دوں، بس میں

تو اسی کا اتباع کروں گا جو میرے پاس وحی
کے ذریعہ پہنچا ہے۔ اگر میں اپنے رب کی
نا فرمانی کروں تو میں ایک بڑے بھاری
دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں۔

ان واضح آیات اور قرآنی اعلانات کے بعد قرآن مقدس میں ادنیٰ سی تبدیلی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، مسلمانوں کے مذہبی نقطۂ نظر سے قرآن میں تبدیلی کا مطالبہ سرے سے بحث ہی سے خارج ہے۔ اس موضوع پر تو گفتگو کی کوئی گنجائش ہے ہی نہیں، بھلے سے کوئی شخص قرآن کی کسی آیت کو اپنے خلاف سمجھا کرے یا اسے موجودہ زمانے کے مزعومہ قوانین کے خلاف سمجھتا رہے مگر یہ خیال دل سے بالکل نکال دے کہ قرآن میں کوئی ترمیم یا تبدیلی ممکن ہے۔

قرآن کریم کے متعلق بے لاگ نظریہ اور دوٹوک موقف اس کی حقانیت کی کھلی دلیل ہے، اس کے برخلاف جو لوگ خود ہی اپنی کتابوں میں تبدیلی کی پیش کش کر رہے ہیں وہ اپنی ہی زبانوں سے اپنے ہی مذہب کی جڑ کاٹ رہے ہیں، کیوں کہ جس مذہب کی کتابوں میں ہر کس و ناکس کو تبدیلی کا حق حاصل ہو وہ مذہب پختہ اور حتمی ہو ہی نہیں سکتا۔

آیاتِ قرآنیہ کی تشریح کا حق کس کو؟

وشو ہندو پریشد کے بعض دریدہ دہن لیڈروں نے قرآن کریم کی جن ۲۴؍آیات کو اپنے خلاف باور کیا ہے، سوال یہ ہے کہ ان آیات کا جو مطلب انہوں نے سمجھا ہے وہ صحیح بھی ہے یا نہیں؟ محض ان لیڈروں کی رائے زنی سے یہ نہیں مانا جا سکتا کہ ان کا بیان کردہ مطلب صحیح ہے، اس لیے کہ قرآن کریم کی تشریح کا ہما شما کو حق حاصل نہیں غیر مسلم تو دور رہے خود ان مسلمانوں کو بھی قرآن کی تفسیر و تشریح کا اختیار نہیں ہے جو دینی علوم سے بے بہرہ ہوں، بلکہ یہ اختیار صرف ان علماء راسخین کو حاصل ہے جو احادیث طیبہ اور اقوال صحابہؓ کی روشنی میں آیات کے شان نزول، سیاق و سباق اور معانی کا مکمل ادراک رکھتے ہوں۔ ایسے حضرات جو تفسیر

بیان کریں گے وہی قبول ہوگی اور جو شخص صرف ترجمہ دیکھ کر مطلب بیان کرے گا اسے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ جس طرح قانون کی تشریح کا حق ایک قانون داں ہی کو حاصل ہوتا ہے ہر ایک کی رائے زنی قبول نہیں کی جاتی، بعینہ۔ اسی طرح قرآن کی تشریح کا حق بھی صرف معتبر علماء اسلام کو حاصل ہے۔ لہٰذا یہ دشمنانِ دین آیاتِ مذکورہ کا جو مطلب بیان کر رہے ہیں وہ ہرگز قابل اعتبار نہیں، آخر وہ قرآن کی تشریح کرنے والے کون ہوتے ہیں؟ اور انہیں اس خامہ فرسائی کا آخر کس نے حق دیا ہے؟ جس طرح ایک مسلمان اور عیسائی کی بات وید کے کسی اشلوک کی تشریح میں قبول نہیں کی جاسکتی، اسی طرح قرآن کی کسی آیت کے معنی کی تعیین اور تشریح میں بھی کسی غیر مسلم کی رائے کا کوئی اعتبار ہے ہی نہیں، لہٰذا ان فتنہ پرور لیڈروں کی قرآن کریم کے متعلق رائے زنی ''احمقانہ بکواس'' سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اور اسے اسلام کے متعلق نفرت پھیلانے کی ''ایک مذموم اور اشتعال انگیز'' کوشش کے سوا کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

اسلام میں غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کی نوعیت

اسلام ایک خالص امن پسند مذہب ہے۔ اس سے یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ خواہ مخواہ کسی انسان کو قتل کرنے یا ستانے کا حکم دے، اس کی تعلیمات تو سراسر رحم دلی، خیر خواہی اور امن پسندی پر مبنی ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ (تَبَارَكَ وَتَعَالٰى) اِرْحَمُوْا أَهْلَ الْاَرْضِ يَرْحَمُكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ (ابوداؤد شریف ۲/۶۷۵)

مہربانوں پر خدائے مہربان مہربانی کرتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔

حتی کہ اسلام میں جانوروں تک کو ستانے سے منع کیا گیا ہے، لہٰذا کسی انسان کو بلا وجہ محض اس کے غیر مسلم ہونے کی بنا پر فنا کے گھاٹ اتار دینے کا مطلق حکم اسلام میں متصور ہی نہیں ہے۔ اگر کوئی غیر مسلم مسلمانوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے۔ ان کے خلاف دشمنی کا اظہار نہ کرے، ان کو ستانے کے منصوبے نہ بنائے اور ان کے دینی معاملات میں دخل اندازی نہ

کرے، تو شریعت میں ایسے غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی کوئی ممانعت نہیں، بلکہ اس کی ترغیب وارد ہوئی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ (الممتحنہ:۸)

اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں فرماتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے، اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں۔

اسی طرح قرآن وحدیث میں غیر مسلم پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے، لہٰذا یہ دعویٰ محض شر انگیزی پر مبنی ہے کہ اسلام مطلقاً غیر مسلموں سے عدم رواداری کی تعلیم دیتا ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ مسلمان کو یہ حکم نہیں ہے کہ وہ خاموش ظلم سہتا رہے اور اپنے دین وایمان اور جان ومال کا دفاع نہ کرے، اسلام ایسی ذلت کی زندگی کو ہرگز گوارا نہیں کرتا۔

لہٰذا اگر کوئی فرد قوم یا جماعت مسلمانوں کو مظالم کا تختۂ مشق بنائے تو مسلمانوں کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے دفاع اور تحفظ کے لیے جو بھی صورت ممکن ہو۔ اسے اپنانے سے دریغ نہ کریں۔ اور ایسے ظالم کفار سے کسی طرح کا تعلق نہ رکھیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا:

اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓي اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (الممتحنہ:۹)

صرف ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے اللہ منع کرتا ہے جو تم سے دین کے بارے میں لڑتے ہوں، اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہو، اور تمہارے نکالنے میں مدد کی ہو، اور جو شخص ایسوں سے دوستی کرے گا سو وہ لوگ گنہگار ہوں گے۔

اس واضح آیت سے معلوم ہو گیا کہ اسلام میں ہر کافر کے ساتھ یکساں معاملہ کا حکم نہیں ہے، بلکہ حالات دیکھ کر احکامات کا تعین ہوگا، اگر امن وامان اور انصاف کے حالات ہیں تو خواہ مخواہ لڑنے کی کوئی وجہ نہیں، اور اگر ظلم و ناانصافی اور ایذا رسانی کے حالات ہیں، تو پھر ان حالات کا مقابلہ کرنا نہ صرف مذہب، بلکہ عقل و انصاف کی رو سے بھی ضروری اور فرض ہو جاتا ہے۔ کوئی بھی عقل منداس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا۔

اسلام میں جہاد کا تصور

عرصۂ دراز سے اسلام کے ایک مقدس ترین عمل ''جہاد'' کو بدنام کرنے کی تحریک جاری ہے، اور گذشتہ سالوں کے عالمی حالات کے تناظر میں تو اسے'' ایک گالی'' کے مرادف قرار دیا جانے لگا ہے، اور منظم انداز میں اس کی غلط تشریح کر کے دنیا کو گمراہ کیا جا رہا ہے، اس لیے اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ ظلم وعدوان اور قتل و غارت گری کا نام ہرگز جہاد نہیں، بلکہ ''روئے زمین سے ظلم و ناانصافی ختم کر کے خالق ارض و سماء رب العالمین کے حکم کو جاری کرنے کے لیے جدو جہد کرنے کا نام جہاد ہے۔ (تکملہ فتح الملہم ۳/ ۴)

اسلام میں جب بھی جہاد کیا جاتا ہے تو اس کے پیچھے صرف اور صرف ظلم کا خاتمہ اور'' اعلاء کلمۃ اللہ'' کا مقصد کارفرما ہوتا ہے۔ محض خوں ریزی اور ملک گیری کے لیے قتل وقتال کو شریعت کی اصطلاح میں جہاد نہیں کہا جاسکتا۔ شریعت اسلامی نے اپنے ماننے والوں کو جہاد کا حکم دے کر دراصل ان کے تحفظ کا واقعی انتظام فراہم کیا ہے۔ اگر جہاد کا حکم اسلام میں نہ ہوتا تو دیگر قومیں نہ جانے کب کی مسلمانوں کو نوالہ تر بنا چکی ہوتیں اور اسلام کا تشخص فنا ہو جاتا۔

حالات کے اعتبار سے جہاد کے احکام میں فرق

اسلامی تاریخ اور احکام کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حالات اور تقاضوں کے اعتبار سے جہاد کے احکامات میں فرق ہے اور ان سب حالات کے نظائر دورِ نبوت میں پائے جاتے ہیں، لہٰذا دنیا میں جہاں بھی جس طرح کے حالات پیش آئیں گے ان کا دور نبوت کے

تدریجی حالات سے موازنہ کر کے حکم متعین کیا جائے گا، اب یہ حالات اجمالی طور پر چار طرح کے ہو سکتے ہیں:

حالت (۱): ۔کسی جگہ کے مسلمان نہایت کمزور ہوں ان کے پاس مقابلہ کی بالکل طاقت نہ ہو اور ملک کا اقتدار اعلیٰ غیروں کے ہاتھ میں ہو ایسی صورت میں ان کے لیے صبر کرنا یا اس جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ ہجرت کرنے کا حکم ہے، جہاد کرنے یا لڑنے کا حکم نہیں ہے، جیسا کہ نبی اکرم ﷺ جب تک مکہ معظمہ میں رہے آپ کو جہاد کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ صبر اور درگذر کرنے کی تعلیم دی گئی۔

حالت (۲): اگر کسی جگہ مسلمانوں کو کچھ طاقت حاصل ہو اور وہ اس پوزیشن میں ہوں کہ اپنے ظالم دشمنوں سے مظالم کا بدلہ لے سکیں اور پیشگی طور پر ان کی طرف سے پیش آمدہ خطرات کا دفاع کر سکیں تو انہیں اجازت ہے کہ وہ حسبِ مصلحت ظالموں کی گھیرا بندی کریں اور ان کو نقصان پہنچائیں لیکن ایسا کرنا صرف جائز ہے ضروری نہیں، جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے ہجرت فرمانے کے بعد جب مدینہ منورہ میں اسلامی مرکز کی تشکیل ہوگئی تو آپ نے ان کفارِ مکہ کو سبق سکھانے کے لیے جنہوں نے ۱۳ر سال تک مسلمانوں کو ظلم وستم کا تختۂ مشق بنایا تھا، بدر کے میدان میں مقابلہ کیا اور فتح حاصل کی۔ یہ جہاد کی مشروعیت کا پہلا مرحلہ ہے۔

حالت (۳): ۔اگر مسلمانوں کا اپنا مرکز قائم ہو اور ان کے پاس معتدبہ طاقت بھی ہو تو اب اگر کوئی ان پر حملہ کی ابتدا کرے اور ظلم پر اتارو ہو جائے اور عدل وانصاف کو بالائے طاق رکھ دے تو ایسی صورت میں ان مسلمانوں پر شرعاً یہ فرض ہو جاتا ہے کہ وہ دشمن کے ظلم پر خاموش نہ رہیں، بلکہ اپنی طاقت کے بقدر ظالموں کا مقابلہ کرنے کے لیے میدان میں آئیں یہ ان کی شرعی ذمہ داری ہے اسی کو دفاعی جہاد کہا جاتا ہے۔

حالت (۴): اگر واضح طور پر کسی ملک میں اسلام کو غلبہ حاصل ہو جائے اور دشمن کفار بالکل مغلوب ہو جائیں تو ایسی صورت میں اسلامی سلطنت کے استحکام کی ہر ممکن کوشش کی

جائے گی اور دشمنوں سے اس وقت تک جہاد کیا جاتا رہے گا، تا آنکہ وہ اسلامی نظام قبول کر لیں۔ یا جزیہ دینے پر راضی ہو جائیں تاہم ان کا منشاء لوگوں کو جبراً مسلمان بنانا ہرگز نہیں بلکہ ان کی زمین پر اللہ کے قانون کو جاری کرنا ہے یہ وہ مرحلہ ہے جو دورِ نبوت میں فتح مکہ کے بعد جزیرۃ العرب میں مسلمانوں کو حاصل ہوا۔ (تخلیص تکملۂ فتح الملہم ۳/ ۵۔ ۸)

اس تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ اسلام میں مسلمانون کو یہ حکم ہرگز نہیں دیا گیا کہ "جس کافر کو جہاں پائیں قتل کر ڈالیں" بلکہ ان کو اصول و قانون کا پابند بنایا گیا ہے، اس سے تجاوز کرنا کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہے، اگر کوئی بے اصولی کرے گا تو سخت سزا کا مستحق ہوگا۔

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "جو شخص کسی ذمی (یعنی اسلامی حکومت میں امن لے کر رہنے والے غیر مسلم شہری) کو خواہ مخواہ قتل کر دے تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھ پائے گا، اگر چہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے آنے لگتی ہے۔" (مشکوٰۃ شریف ۲۹۹)

لہٰذا جہاد اور غیر مسلموں کے حقوق کے بارے میں حکم عدولی کی کسی کو اجازت نہیں ہے۔

جہاد کے حکم کا پس منظر

پھر یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہئے کہ کیسی تکلیف دہ صورت حال اور اندوہ ناک، ناقابل تصور اذیتوں کے تحمل کے بعد اسلام میں جہاد کی اجازت اور اس کا حکم دیا گیا؟ مکہ کے مشرکین نے اسلام لانے والوں پر ابتداء میں کس طرح مظالم ڈھائے؟ کس طرح ان پر عرصۂ حیات تنگ کیا گیا؟ راہ میں کانٹے بچھائے گئے، زدوکوب کیا گیا، بدن پر غلاظتیں ڈالی گئیں، طعن و تشنیع اور ہرزہ سرائیوں کی حد کر دی گئی، حتیٰ کہ لوگوں کو جان بچانے کے لیے مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ جانا پڑا، اور دین کے تحفظ کے لیے اپنے وطن کو قربان کرنا پڑا۔ یہ وہ سنگین حالات تھے جن کے پس منظر میں ہجرت مدینہ کے بعد ظالموں سے جہاد کا حکم دیا گیا؛ کیوں کہ یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ اگر ظالموں کی قوت کو توڑا نہ گیا تو یہ کہیں بھی دنیا میں مسلمانوں کو امن وسکون سے رہنے نہ دیں گے، اور ہر جگہ فتنہ انگیزی پر آمادہ رہیں گے، اس لیے ضروری تھا

کہ اپنے وجود کے تحفظ کے لیے ظالموں کو نیست و نابود کیا جائے۔

وشو ہندو پریشد کے دریدہ دہن لیڈروں کو وہ آیتیں تو خوب یاد رہیں جن میں ظالم کفار کو پکڑ پکڑ کر مارنے کا حکم ہے، اور مکہ کے ظالموں نے ۱۳؍سال تک مکہ میں مسلمانوں کے ساتھ جو انسانیت سوز حرکتیں کیں وہ بھول گئے؟ ظالموں کی طرف سے یہ چشم پوشی وہی کرسکتا ہے جس کے ہاتھ خود ظلم وتشدد میں لت پت ہوں اور جو خود دنیا میں ظلم و ناانصافی اور حق تلفی کا سنگین مجرم ہو، ورنہ کوئی بھی عدل وانصاف کے جذبات رکھنے والا شخص ظالموں کی بیخ کنی کی کسی سخت سے سخت کارروائی کو بھی خلافِ انسانیت قرار نہیں دے سکتا۔

مسلمانوں پر کفار مکہ کے بدترین مظالم کی چند جھلکیاں

اسلام کی ابتداء میں مکہ معظمہ میں تیرہ سال کا طویل عرصہ اس طرح گزرا کہ دشمنوں کی طرف سے کسی دن بھی انہیں چین نصیب نہ ہوا، قدم قدم پر روڑے اٹکائے گئے اور زندگی اجیرن کردی گئی۔ ان انسانیت سوز مظالم کو بھی بیان نہیں کیا جاسکتا، اور نہ اس دور کے ایک ایک واقعہ کو یاد کرنے کا کوئی خاص اہتمام رکھا گیا لیکن پھر بھی جو اِکّا دُکّا واقعات تاریخ وسیر کی کتابوں میں محفوظ ہوگئے وہ انتہائی روح فرسا اور رونگٹے کھڑے کرنے والے ہیں۔ ایسے ہی چند واقعات کی طرف اشارے ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں۔

● پیغمبر علیہ السلام پر کوڑا کرکٹ ڈالا جاتا تھا۔

(الروض الانف ۲؍۴۰، حیاۃ الصحابہ ۱؍۲۸۰)

● آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کے دروازے پر غلاظتیں اور خون آلود کپڑے ڈالے جاتے تھے۔

(الروض الانف ۲؍۴۰)

● ایک مرتبہ مکہ کے سردار امیہ بن خلف کے کہنے پر ایک کافر عقبہ نے آپ کے چہرۂ انور پر اپنا تھوک ڈال کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچائی۔ (الروض الانف ۲؍۴۰)

● ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ شریف کے قریب نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک بدترین کافر

عقبہ ابن ابی معیط نے سجدہ کے وقت آپ ﷺ کی گردن پر اس زور سے اپنا قدم رکھا کہ آپ ﷺ کی آنکھیں باہر نکلنے کو ہوگئیں۔(الروض الانف ۲/۴۰)

● ایک مرتبہ نماز کے دوران جب آپ ﷺ سجدہ میں تشریف لے گئے تو شقی القلب عقبہ ابن ابی معیط نے ابوجہل کے حکم پر اونٹ کا غلیظ اوجھ آپ کی کمر پر رکھ دیا کہ آپ ﷺ سر نہ اٹھا سکے اور یہ منظر دیکھ کر مکہ کے بڑے کفار سامنے کھڑے کھڑے ٹھٹھول کرتے رہے۔ (مسلم شریف ۲/۱۰۸)

● ایک مرتبہ اسی لعین عقبہ ابن ابی معیط نے نماز پڑھتے ہوئے آنحضرت ﷺ کے گلے میں کپڑا ڈال کر اتنی زور سے کھینچا کہ آپ کا دم گھٹنے لگا، اور بمشکل تمام حضرت ابوبکرؓ نے دھکا دے کر عقبہ کو ہٹایا، تو وہ کفار نبی اکرم ﷺ کو چھوڑ کر حضرت ابوبکر ب پر لپٹ گئے اور ان کے سر اور ڈاڑھی کے بال اکھیڑ ڈالے۔(الروض الانف ۲/۴۰)

● ایک مرتبہ کفار نے آنحضرت ﷺ کو اس قدر زدوکوب کیا کہ آپ بے ہوش ہو گئے۔(حیاۃ الصحابہ ۱/۲۸۴)

● شعب ابی طالب میں آپ کا پورے خاندان سمیت سخت ترین بائیکاٹ کیا گیا اور تین سال تک نہایت تنگی اور تکلیف میں وقت گذارا۔(البدایۃ والنہایۃ ۳/۹۱)

● طائف میں آپ ﷺ کے ساتھ نہایت وحشیانہ اور انسانیت سوز حرکتیں کی گئیں اور آپ ﷺ پر اس قدر پتھراؤ کیا گیا، جس سے آپ ﷺ کا پورا بدن لہولہان ہوگیا۔(بخاری شریف ۱/۴۵۸، حیاۃ الصحابہ ۱/۲۹۱)

● آنحضرت ﷺ کے قتل کا پختہ منصوبہ بنایا گیا اور طے کیا گیا کہ سب قبائل کے نمائندے مل کر آپ کو شہید کریں گے؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو محفوظ رکھا، اور آپ بحفاظت ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔(الانفال:۳۰)

● سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب سب سے پہلے اسلام کی دعوت دی تو

کفار نے انہیں مار مار کر بے ہوش کر دیا۔ ایک کافر عتبہ بن ربیعہ آپ کے پیٹ پر چڑھ کر کودتا رہا، اور اپنے جوتے سے آپ کے چہرے پر وار کرتا رہا، جب آپ کے خاندان والے آپ کو اٹھا کر گھر لے گئے تو سخت ضرب کی وجہ سے سب یہی سمجھ رہے تھے کہ اب آپ زندہ نہ بچیں گے۔ (البدایۃ والنہایہ ۳/ ۵۳)

- سیدنا حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو محض اسلام لانے پر امیہ ابن خلف نے یہ سزا دی کہ مکہ کی سخت تپتی ہوئی دھوپ میں گرم زمین پر لٹا کر سینے پر بھاری پتھر رکھ دیتا اور کہتا کہ ''یا تو دوبارہ کفر قبول کرو ورنہ اسی طرح تمہاری موت آجائے گی۔'' اور سیدنا حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ پوری استقامت سے وحدانیت کا نعرہ بلند فرماتے رہتے۔ (البدایۃ والنہایہ ۳/ ۶۴) اور کبھی مکہ کے اوباش لڑکوں کے حوالے کر دیا جاتا وہ آپ کو مکہ کی گلیوں میں گھسیٹتے پھرتے تھے۔

(حیاۃ الصحابہ ۳/ ۳۰۶)

- سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جب اسلام قبول کیا تو آپ کے چچا حکم بن العاص نے آپ کو ایک ستون سے باندھ دیا کہ جب تک اسلام نہ چھوڑو گے تمہیں نہ کھولوں گا، مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی استقامت دیکھ کر اسے کھولنا پڑا۔ (حیاۃ الصحابہ ۱/ ۳۰۳)

- ایک مرتبہ کفار نے محض قرآن کریم بلند آواز سے پڑھنے پر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اس قدر مارا کہ آپ کے چہرے پر نشانات پڑ گئے۔ (الروض الانف ۲/ ۸۰)

- حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ان کے والد حضرت یاسر رضی اللہ عنہ اور ان کی والدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو کفار انگاروں پر لٹاتے تھے، جس سے ان کے کمر کی چربی تک پگھل جاتی اور یہ لوگ بے ہوش ہو جاتے، حضرت یاسر رضی اللہ عنہ انہی مصائب کی بنا پر وفات پا گئے، اور حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کی شرم گاہ میں ابو جہل نے برچھی ماری، جس سے آپ شہید ہو گئیں، حالانکہ آپ اس وقت نہایت بوڑھی اور ضعیفہ تھیں، ملعون ظالم نے بڑھاپے پر بھی ترس نہ کھایا۔

(حیاۃ الصحابہ ۱/ ۳۰۸، سیرت المصطفیٰ ۱/ ۲۲۷)

- حضرت خباب رضی اللہ عنہ کو دہکتے انگاروں میں لٹا کر سینے پر پیر رکھ دیا جاتا، تاکہ ہل جل نہ سکیں اور وہ انگارے بدن کی چربی پگھلنے سے بجھ جاتے تھے، اسی بنا پر آپ کی پیٹھ پر سفید داغ ہو گئے تھے۔ (حیاۃ الصحابہ ۱/ ۳۰۹)
- حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو اسلام لانے پر ان کے چچا چٹائی میں لپیٹ کر دھواں چھوڑ دیتے تھے۔ (سیرۃ المصطفیٰ ۱/ ۲۳۶)
- لعین ابو جہل کی اسلام دشمنی کا یہ حال تھا کہ اسے جب پتہ چلتا کہ مکہ کا کوئی شخص مسلمان ہو گیا ہے، تو اگر وہ اسلام لانے والا شخص عزت دار ہوتا تو جا کر اس کی ڈانٹ ڈپٹ کرتا اور اس کی عزت خراب کرنے کی کوشش کرتا، اور اگر تاجر ہوتا تو کہتا کہ میں تیری تجارت چلنے نہ دوں گا، اور تیرا کاروبار تباہ کر دوں گا، اور اگر اسلام لانے والا شخص کمزور ہوتا تو اس کی پٹائی کرتا اور دھمکیاں دیتا تھا۔ (الروض الانف ۲/ ۸۷)
- انہی تنگیوں اور ایذا رسانیوں سے تنگ آ کر بہت سے مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے، مگر کفار مکہ نے حبشہ تک ان لوگوں کا پیچھا کیا اور شاہ حبشہ سے مطالبہ کیا کہ وہ ان مسلمانوں کو اپنے یہاں پناہ نہ دیں۔ (سیرت ابن ہشام ۱/ ۹۰)

یہ تو چند نمونے تھے جو کسی طرح تاریخ میں محفوظ رہ گئے، ورنہ اس سے بھی زیادہ سنگین مظالم مسلمانوں پر روا رکھے گئے اور مکہ معظمہ میں ان کا ناطقہ بند کر دیا گیا۔

آخر مسلمانوں کا قصور کیا تھا؟

مہذب دنیا میں ہر شخص کو نظریاتی اعتبار سے فکری آزادی حاصل ہوتی ہے اور کسی شخص کو محض اس کے ذاتی نظریہ اور عقیدہ کی بنا پر مستوجب سزا نہیں سمجھا جاتا، اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ ان مسلمانوں کو کفار مکہ نے جن مظالم کا تختۂ مشق بنایا اس کی بنیاد کیا تھی؟ سرورِ عالم حضرت محمد مصطفی ﷺ اور آپ کے ہاتھ پر ایمان لانے والوں نے مکہ والوں کا آخر کیا بگاڑا تھا؟ یہ حضرات نہ تو وہاں کے سرداروں کی حکومت میں کوئی خلل ڈال رہے تھے، نہ مال داروں کے مال و

دولت میں کسی حصہ کے طالب تھے، وہ تو محض ایک نظریہ کو لے کر اٹھے تھے اور وہ نظریہ یہ تھا کہ ”خدائے واحد کی پرستش کی جائے اور اس کا ہمسر کسی کو قرار نہ دیا جائے“۔ اس نظریہ کو قبول کر لینے سے کسی کا کوئی نقصان لازم نہیں آ رہا تھا، اور پھر آپ ﷺ کی طرف سے کوئی جبر بھی نہیں تھا آپ دعوت پیش فرماتے جو مان لیتا اسے قبول کر لیتے اور جو نہ مانتا اس کے پیچھے نہ پڑتے تھے۔

لیکن یہ سیدھا سادہ سچا نظریہ کفار مکہ سے ہضم نہ ہوسکا، اور پیغمبر علیہ السلام کے دلائل کا کوئی معقول جواب تو ان کے پاس تھا نہیں، لہٰذا سنجیدگی سے گفتگو کے بجائے ہٹ دھرمی اور کمینہ پن پر اتر آئے، جیسا کہ ہر زمانہ کے فسطائیت پسند لوگوں کا یہی وطیرہ رہا ہے کہ جب وہ دلائل اور معقولیت میں ہار جاتے ہیں تو ”جوتم پیزار“ پر اتر آتے ہیں موجودہ دور میں بھی دشمنان اسلام کے کرتوت کچھ اسی طرح کے ہیں، اب خود ہی عقل وانصاف سے غور کیا جائے کہ اگر اسلام نے بعد میں ان بے قصوروں کو یہ اجازت دی کہ ان کفار سے جنگ کریں جنہوں نے خواہ مخواہ بلا کسی وجہ کے ان پر ظلم کے پہاڑ توڑے تھے تو آخر کیا ایسا کیا برا کام کیا جس پر آسمان سر پر اٹھا لیا جائے؟ ایسے ظالموں کا علاج تو سیدھی سادی باتوں سے ہونے والا تھا ہی نہیں، اگلے تجربات نے اس حقیقت کو سچ کر دکھادیا کہ جب تک مسلمان اپنے حق کے لیے سر بکف میدان میں نہیں آئے ان کفار کی شرارتوں میں کمی نہیں آئی۔

صلح حدیبیہ کس نے توڑی؟

اسلام کی امن پسندی کی حد یہ ہے کہ ہجرت فرمانے کے چھ سال بعد سیدنا ومولانا حضرت محمد مصطفی ﷺ نے عمرہ کی نیت سے صحابہ کے ساتھ مکہ کا سفر فرمایا تو مکہ کے کافروں نے حدیبیہ کے مقام پر آپ ﷺ کو روک دیا اور عمرہ کے لیے مکہ میں داخل نہیں ہونے دیا آپ نے بہت کہا کہ ہمارا مقصد کوئی جنگ نہیں، ہم احرام باندھ کر آئے ہیں، عمرہ کر کے ہم واپس چلے جائیں گے مگر یہ ضدی اور ہٹ دھرم ظالم مان کر نہیں دیئے، بالآخر بعد میں مسلمانوں نے

بظاہر دب کر ایک ناجنگ معاہدہ کیا جسے ''صلح حدیبیہ'' کہا جاتا ہے، اس میں یہ طے کیا گیا تھا کہ آئندہ دس سال تک کفار مکہ سے کوئی جنگ نہیں ہوگی اور یہ کہ اگر کوئی کافر مسلمان ہو کر مدینہ چلا جائے گا تو اسے مدینہ میں رہنے نہیں دیا جائے گا اس کے برخلاف اگر کوئی مسلمان مرتد ہو کر مکہ آجائے تو اس کی واپسی ضروری نہ ہوگی، اسی طرح یہ بھی طے ہوا تھا کہ عرب کے قبائل میں سے جو قبیلہ چاہے مسلمانوں سے یا قریش مکہ سے دوستی کا معاہدہ کر لے، چنانچہ بنو خزاعہ نے مسلمانوں سے اور بنو بکر نے کفار سے معاہدہ کر لیا، اس معاہدہ کی رو سے یہ لازم تھا کہ کوئی فریق دوسرے فریق پر حملہ نہ کرے، لیکن ابھی دو ہی سال گذرے تھے کہ قریش مکہ نے معاہدہ کو پاش پاش کرتے ہوئے اپنے حلیف بنو بکر کا خفیہ طور پر تعاون کر کے بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا اور ان پر ظلم وتعدی کا بازار گرم کیا جس کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ کو جوابی کارروائی کرتے ہوئے مکہ کی طرف کوچ کرنا پڑا، اور اللہ نے فتح عطا فرمائی۔

(مستفاد: سیرت ابن ہشام مع الروض الانف ۴/۱۴۱ وغیرہ)

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مکہ والوں کی سرشت میں مسلمانوں سے بغض وعناد اور ان کی ایذا رسانی کے جذبات کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے اور انہوں نے امن و انصاف کے تمام تقاضوں کو بالائے طاق رکھ دیا تھا، لہٰذا ان کے خلاف جنگ کا اعلان دنیا میں امن وامان کی بقا کے لیے ناگزیر تھا، اور اس طرح کی صورت حال دنیا میں جب بھی اور جہاں بھی پائی جائے گی اس کے تدارک کے لیے کارروائی کرنا لازم اور ضروری ہوگا، اسی کارروائی کا نام ''جہاد'' ہے جو قیامت تک باقی اور جاری رہے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اسلام میں عہد کی پاس داری کا حکم

اسلام کی ایک اہم تعلیم یہ ہے کہ اگر کسی فرد یا جماعت یا قوم سے کوئی معاہدہ کر لیا گیا تو اس معاہدہ کی خلاف ورزی جائز نہیں اگر چہ یہ معاہدہ غیر مسلموں کے ساتھ کیوں نہ ہو۔ نبیٔ اکریم ﷺ نے بدعہدی اور غداری کی مذمت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''میدان محشر میں ہر غدار کی غداری

کے بقدر ایک جھنڈا اس کے ساتھ لگا دیا جائے گا(جو اس کی سخت رسوائی کا سامان ہوگا)۔
(مسلم شریف ۲/ ۸۳)

نبی اکرم ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے مدینہ کے اطراف میں رہنے والے قبائل سے ایک مشترکہ معاہدہ کیا جس میں ہر شہری کے جان ومال کے تحفظ اور دشمن سے بچاؤ کے لیے مشترکہ اقدام کرنے کے لیے عہد لیا گیا تھا۔ چنانچہ جب تک متعلقہ فریق اس معاہدہ پر کار بند رہے اور انہوں نے عہد نہیں توڑا تو نبی اکرم ﷺ نے بھی ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔ بعد میں جو بھی کارروائی ہوئی ان کے عہد توڑنے کے بعد ہوئی۔ اسی طرح جب کفار مکہ سے صلح حدیبیہ ہوگئی تو جب تک کفار مکہ عہد کے پابند رہے نبی اکرم ﷺ نے ان سے کوئی جنگ نہیں کی۔ جو بھی جنگ ہوئی ان کے عہد توڑنے کے بعد ہوئی۔

اور یہی حکم قیامت تک باقی ہے کہ جو مسلمان جب بھی اور جہاں بھی کسی عہد سے وابستہ ہوں تو انہیں اس عہد کی پابندی لازم ہے۔ جب تک وہ عہد موجود ہے اس کی خلاف ورزی ان کے لیے صحیح نہیں ہے۔

ہندوستانی مسلمانوں کی شرعی حیثیت

ہندوستان میں رہنے والے مسلمانوں کی شرعی پوزیشن یہ ہے کہ یہاں کا ہر شہری ایک جمہوری دستور کا پابند ہے۔ مسلمان بھی اس جمہوری آئین کو قبول کرتے ہیں، جس میں ملک کے ہر شہری کے جان ومال کے تحفظ کی ضمانت دی گئی ہے۔ لہٰذا اس عہد کی پاس داری کرتے ہوئے جب تک بھی یہ دستور موجود ہے یہاں کے رہنے والے مسلمانوں کو یہ اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ ملک کے غیر مسلم بے قصور شہریوں پر کسی طرح کا جانی یا مالی ظلم کریں۔ ہاں اگر کوئی فرد یا جماعت دستور کو توڑتے ہوئے خواہ مخواہ مسلمانوں پر ظلم وستم کرنے لگے تو پھر مسلمانوں کو اپنے دفاع کا حق یقینا حاصل ہوگا اور ایسے مجرموں کو جو ملک کے دستور کی دھجیاں اڑائیں سبق سکھانے کے لیے ہر قانونی راستہ اپنانے کی اجازت ہوگی۔ تاہم یہ کاروائی صرف

قصور واروں تک محدود رہنی چاہئے اور جو غیر مسلم شہری امن پسندی کے ساتھ یہاں صدیوں سے رہتے چلے آرہے ہیں ان کے جان و مال پر کسی قسم کی دست درازی کی اجازت نہ ہوگی۔

لہٰذا وشو ہندو پریشد نے جو آیات قرآنیہ پیش کی ہیں ان کا زیادہ تر تعلق معاہدہ کے حالات سے نہیں، بلکہ جنگ کے حالات سے ہے۔اس لیے ان آیات کی وجہ سے ہمارے ہندوستانی غیر مسلم شہریوں کو خوف زدہ یا بدظن ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، کیوں کہ یہ غیر مسلم شہری مسلمانوں کے ساتھ ایک عہد میں مربوط ہیں، جس کی پاس داری ہر مسلمان پر ضروری ہے۔مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ خود بھی امن سے رہیں اور دوسروں کو بھی امن سے رہنے دیں،ان آیات کا ہندوستان کے موجودہ حالات پر انطباق کر کے مغالطہ پیدا کرنا شر انگیزی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

آج ضرورت ہے

واقعتاً آج اس بات کی ضرورت ہے کہ غیر مسلم حضرات تعصب کی عینک اتار کر آیات قرآنیہ اور اسلامی احکامات کا مطالعہ کریں، اور ساتھ میں مسلمانوں کی موجودہ حالت پر بھی غور کریں اور اقوام عالم کی طرف سے امتِ مسلمہ پر جو برابر مظالم ہوتے آئے ہیں اور ہو رہے ہیں، ان پر بھی انصاف کے ساتھ نظر ڈالیں اور پھر فیصلہ کریں کہ حالات کے تقاضے کیا ہیں؟ اور دنیا میں امن کیسے قائم ہو سکتا ہے؟

دوسری طرف خود مسلمانوں کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ اپنے اعلیٰ کردار اور امتیازی اخلاق کا مظاہرہ اپنے غیر مسلم بھائیوں کے ساتھ کریں، تاکہ ان کے دلوں سے نفرت کا غبار چھٹ سکے اور دشمنوں نے جو خمار ان کے دماغ میں بھر دیا ہے اس کو مٹایا جا سکے، یہی امن کا راستہ ہے، اس کے بغیر امن کا تصور نہیں کیا جا سکتا، اللہ تعالیٰ سارے عالم میں امن و امان قائم فرمائے، فتنہ پروروں کی فتنہ انگیزیوں سے انسانیت کو محفوظ رکھے، اور ظالموں کو ان کے انجام تک پہنچائے۔آمین۔ (ندائے شاہی، دسمبر ۲۰۰۲ء)

☆......☆......☆

قابل اعتراض آیاتِ قرآنیہ کا صحیح مطلب

''ہندو راشٹر فورم''، نئی دہلی نے قرآن کریم کی ان ۲۴/آیات کا ترجمہ جاری کیا ہے، جو ہندو شدت پسندوں کے نزدیک قابل اعتراض ہیں، اور جن کے رہتے ہوئے ان کے بقول مسلمانوں اور غیر مسلموں میں باہمی رواداری اور اعتماد پیدا نہیں ہوسکتا۔ ان اعتراضات کا اصولی جواب گذشتہ صفحات میں پیش کیا گیا ہے۔ اب مزید وضاحت کے لیے مذکورہ ۲۴/آیات کی تشریح، کتب تفسیر و حدیث کی روشنی میں پیش کی جارہی ہے، جس سے اندازہ لگایا جاسکے گا کہ یہ اعتراضات کس قدر بے وزن اور حقیقت سے دور ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

ظالم کفار کو سبق سکھانے کا حکم

آیت نمبر (۱): فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵ (سورہ التوبہ:۵)

ترجمہ: ۔اور جب اشہر حرم (امن کے مہینے) گذر جائیں تو ان مشرکین کو جہاں پاؤ مارو اور باندھو اور داؤ گھات کے موقعوں میں ان کی تاک میں بیٹھو، پھر اگر کفر سے توبہ کرلیں اور نماز پڑھنے لگیں، اور زکوٰۃ دینے لگیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو، واقعی اللہ بڑی مغفرت کرنے والے بڑی رحمت کرنے والے ہیں۔

پس منظر: ۔ یہ اعلان عام نہیں ہے کہ جس کافر کو جہاں پاؤ قتل کردو، بلکہ ایک خاص پس منظر میں ۹/ہجری میں حج کے موقع پر یہ اعلان کیا گیا تھا کہ جو طاقتیں مسلسل اور بلا وجہ اسلام دشمنی اور عہد شکنی کی مرتکب ہوتی آرہی تھیں، ان سے سختی سے نمٹا جائے، کیوں کہ اسلام کی آمد

کے بعد ۲۲/سالہ تجربہ نے یہ باور کرادیا تھا کہ ان دشمنوں کے ساتھ نرمی کی کوئی گنجائش نہیں ہے، ان کے شر اور فتنہ سے بچنے کے لیے ان کے ساتھ سختی سے پیش آنا ضروری تھا، ورنہ ان کے دوبارہ سر اٹھانے کا حقیقی خطرہ موجود تھا، اس لیے قرآن کریم میں ان مشرکین کی سرشت بیان کرتے ہوئے آگے اسی سورت میں ارشاد فرمایا ہے:

كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۸ (التوبہ:۸)

کیسے ان کا عہد قابل قبول ہوگا حالانکہ ان کی حالت یہ ہے کہ وہ کہیں تم پر غلبہ پاجائیں تو تمہارے بارے میں نہ قرابت کا پاس کریں اور نہ قول وقرار کا، یہ لوگ تم کو اپنی زبانی باتوں سے راضی کر رہے ہیں اور ان کے دل ان باتوں کو نہیں مانتے، اور ان میں زیادہ آدمی شریر ہیں۔

اس آیت میں جن مشرکین کی کیفیت بیان کی گئی ہے ان ہی جیسے شریر دشمنانِ اسلام کے لیے وہ حکم ہے جو اوپر آیت میں دیا گیا ہے کہ انہیں بالکل بچ کر جانے نہ دیا جائے۔

اس کے برخلاف جو مشرکین ایسے نہ ہوں، بلکہ وہ صلح جو ہوں اور امن اور وفاداری کے ساتھ رہنا چاہیں تو ان کے ساتھ احسان کرنے یا فدیہ یا جزیہ لے کر چھوڑ دینے کا حکم ہے جسے قرآن کریم میں سورۂ محمد کی دوسری آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ (مستفاد: الجامع لأحكام القرآن للقرطبی ۸/۴۷، تفسیر ابن کثیر ۵۹۸ وغیرہ)

بہرحال اس آیت کا تعلق برسرپیکار دشمنوں سے ہے عام کفار ومشرکین سے نہیں ہے، اس حکم کو مطلق بیان کرکے غلط فہمی پھیلانا محض شر انگیزی ہے۔

مشرکین کی نجاست؟

آیت(۲):۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا

الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا (التوبہ:۲۸)

ترجمہ: اے ایمان والو! مشرک (بوجہ عقائد فاسدہ کے) نرے ناپاک ہیں، سو یہ لوگ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس نہ آنے پاویں۔

پس منظر: ۔مشرکین مکہ، زمانہ جاہلیت سے ہی بیت اللہ شریف اور مقامات مقدسہ میں شرک و بت پرستی کی رسومات انجام دیتے آئے تھے، نیز بہت سے مشرکین مادر زاد ننگے ہونے کی حالت میں بیت اللہ شریف کا طواف کر کے گندگی پھیلاتے تھے، اس بنا پر حج ۹ رہجری کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ذریعہ یہ اعلان کروادیا کہ اگلے سال (یعنی ۱۰ رہجری) سے نہ تو کسی مشرک کو (حج کے ارادہ سے) مسجد حرام میں آنے کی اجازت ہوگی اور نہ ہی کسی شخص کو ننگے ہونے کی حالت میں طواف کرنے کی اجازت دی جائے گی۔ (تفسیر ابن کثیر ۶۰۴)

اور حضرات فقہاء ومفسرین کے نزدیک اس آیت میں مشرکین کی نجاست سے مراد ان کا ظاہری طور پر ناپاک ہونا نہیں ہے، یعنی یہ مطلب نہیں کہ ہر مشرک کا بدن ناپاک قرار دیا جائے کہ اس کو چھونا اور ہاتھ لگانا منع ہو، بلکہ اس سے عقیدہ اور جذبات کی ناپاکی مراد ہے اور اس ناپاکی کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص اپنے اصل خالق و مالک کو بھول کر اپنے ہی ہاتھ سے بنائے ہوئے بتوں کو پوجنے لگے اور انہی بتوں کو اپنے لیے نفع نقصان میں مؤثر سمجھنے لگے تو ظاہر ہے کہ عقل وانصاف کی رو سے اس کی فکر کو پاک فکر ہرگز نہیں کہا جا سکتا، بلکہ اسے فکر کی ناپاکی سے ہی تعبیر کرنا مناسب ہوگا، چنانچہ خود ''ہندومت'' کے ویدوں میں بھی بت پرستی کی مذمت کی گئی ہے، لہٰذا قرآن کریم نے اگر شرک کو ناپاکی سے تعبیر کر دیا تو کوئی خلاف واقعہ بات نہیں کہی، بلکہ حقیقت کو صحیح معنی میں اجاگر کر دیا ہے، اس میں کسی کو ناراض ہونے کی ضرورت نہیں، بلکہ اپنی اصلاح کر کے پاک ہونے کی ضرورت ہے۔

کفّار کی دشمنی

آیت(۳):۔اِنَّ الْکٰفِرِیْنَ کَانُوْا لَکُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا﴿۱۰۱﴾(النساء۱۰۱)

ترجمہ:۔بلا شبہ کافر لوگ تمہارے صریح دشمن ہیں۔

پس منظر:۔قرآن کریم کے نزول کے وقت کفار کی دشمنی اظہر من الشمس تھی،کفار تاک میں رہتے تھے کہ راستہ میں بھی اگر کہیں مسلمان غفلت کی حالت میں ملیں تو انہیں نقصان پہنچایا جائے۔اسی ضمن میں یہ حکم نازل ہوا کہ چوں کہ سفر کے دوران لمبی نماز پڑھنے میں کفار کی طرف سے خطرہ ہوسکتا ہے،لہٰذا نماز میں تخفیف کر کے قصر نماز پڑھی جائے۔(اب نماز میں قصر کا حکم عام ہے خواہ دشمن کا خوف ہو یا نہ ہو بہر حال شرعی سفر کے وجود کے وقت قصر ہی کا حکم ہے)اور پھر اس کی علت یہ بیان ہوئی کہ شر پسند کافروں کے دلوں میں اہل ایمان کی دشمنی پیوست ہے۔(النساء۱۰۱)

ایسے لوگوں نے اسلام اور اہل اسلام کی جڑ کاٹنے کی کوشش کی ہے اور برابر کر رہے ہیں،اس لیے قرآن کریم نے ڈیڑھ ہزار سال پہلے ہی اپنے ماننے والوں کو متنبہ کر دیا تھا کہ جو لوگ تم سے کھلی دشمنی رکھتے ہیں ان سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔اس اعلان سے نفرت پیدا کرنا مقصود نہیں،بلکہ اس کا منشاء ملت کو دشمنوں سے محتاط رہنے کی تاکید کرنا ہے۔اب جو لوگ اپنے طرز عمل سے یہ ثابت کر دیں کہ وہ ملت اسلامیہ کے دشمن نہیں ہیں تو ظاہر ہے کہ قرآن ان سے خواہ مخواہ دشمنی برتنے کی تعلیم نہیں دیتا،بلکہ عہد کی پابندی کی تلقین کرتا ہے۔

کفار سے قتال

آیت (۴):یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِیْنَ یَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِیْكُمْ غِلْظَةً(توبہ۔۱۲۳)

ترجمہ:اے ایمان والو!ان کفار سے لڑو جو تمہارے آس پاس رہتے ہیں،اور ان کو تمہارے اندر سختی پانا چاہیے۔

وضاحت: ۔ یہ حکم ایک سیاسی حکمت عملی پر مبنی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب دشمن قریب سے دور تک پھیلے ہوئے ہوں، تو دانش مندی کا تقاضا یہ ہے کہ اول قریب والوں کو زیر کیا جائے اور ان سے نپٹنے کے بعد دور والوں کو سبق سکھایا جائے اگر اس کے برعکس معاملہ کیا جائے گا تو کبھی بھی کامیابی نہ مل پائے گی، اور دوسرا حکم یہ دیا گیا کہ کبھی بھی دشمن کے مقابلہ میں کمزوری اور ڈھیلے پن کا اظہار نہ کرنا چاہیے ۔ ورنہ اپنی فوجوں کے حوصلے پست ہو جائیں گے اور دشمن کے حوصلے بلند ہو جائیں گے، الغرض یہ دونوں ہدایتیں جنگی حالات سے متعلق ہیں امن اور معاہدہ کی صورت میں قتال وخونریزی کا نہ کوئی مطلب ہے اور نہ ضرورت ۔ لہٰذا اس آیت کو نفرت انگیز قرار دینا محض غلط ہے ۔

کفار کو جہنم میں عذاب

آیت(۵) : ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۵۶﴾ (النساء ۵۶)

ترجمہ: بلا شبہ جو لوگ ہماری آیتوں کے منکر ہوئے ہم ان کو عنقریب ایک سخت آگ میں داخل کریں گے جب کہ ایک دفعہ ان کی کھال جل چکے گی تو ہم اس پہلی کھال کی جگہ فوراً دوسری کھال پیدا کر دیں گے، تا کہ عذاب ہی بھگتتے رہیں، بے شک اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والے ہیں ۔

وضاحت: اس طرح کی آیتوں کا تعلق اسلام کے عقیدۂ آخرت سے ہے ۔ اسلام کی نظر میں اہل ایمان کو مرنے کے بعد جنت میں جگہ ملے گی جب کہ اسلام کو نہ ماننے والے جہنم میں جا کر عذاب میں گرفتار ہوں گے اسی سخت عذاب کی ایک جھلک مذکورہ آیت مین بیان کی گئی ہے کہ جب آگ کی شدت سے مجرموں کی کھال جل جائے گی تو دوبارہ نئی کھال چڑھا دی جائے گی تا کہ عذاب کا تسلسل برابر جاری رہے ۔ یہ اسلام کا حتمی عقیدہ ہے ۔ جس میں واقعتہً کسی

شک وشبہ کی گنجائش نہیں لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ دنیا میں رہتے ہوئے کفار کو اس طرح کا عذاب دینے کی ترغیب دی جائے یا ان کو ستانے اور جلانے پر ابھارا جائے۔ اسلام دنیا میں خواہ مخواہ کے مظالم کو برداشت نہیں کرسکتا، آخرت میں جو کچھ ہوگا وہ تو مرنے کے بعد سامنے آ جائے گا لیکن کفار سے دنیوی معاملات شرعی حدود کے دائرہ میں رہ کر اختیار کیے جائیں گے اور ان کے ساتھ بھی ظلم روا نہیں رکھا جائے گا۔

غیر مسلم رشتہ داروں سے تعلق کا معاملہ

آیت (٦): يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (التوبۃ:٢٣)

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے باپوں کو، اپنے بھائیوں کو، اپنا رفیق مت بناؤ، اگر وہ لوگ کفر کو بمقابلہ ایمان کے عزیز رکھیں اور جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ رفاقت رکھے گا سو ایسے لوگ بڑے نافرمان ہیں۔

وضاحت: ۔ اسلامی شریعت میں کسی کافر سے دوستی رکھنا مطلقاً منع نہیں ہے بلکہ صرف وہ دوستی منع ہے جس کی وجہ سے مسلمان اپنے کسی اسلامی شعار یا ایمانی عمل کرنے سے محروم ہو جائے، اس کے علاوہ انسانی ہمدردی، تجارتی تعلقات یا معاملات میں غیر مسلم کے ساتھ اچھا برتاؤ نہ صرف جائز بلکہ شرعاً پسندیدہ ہے۔ آیت مذکورہ میں صرف اس تعلق کی ممانعت ہے جو مذہبی اعتبار سے نقصان دہ ہے۔ دراصل اسلام اپنے ماننے والوں کو ایسی ایمانی پختگی عطا کرتا ہے، جس کے مقابلہ میں ہر طرح کے دنیوی تعلقات اور روابط ایک مومن کی نظر میں بے حیثیت بن جاتے ہیں اور جب معاملہ ایمان کا آتا ہے تو پھر وہ اس پر کسی تعلق کو ترجیح نہیں دیتا۔

بعض حضرات مفسرین نے اس آیت کے شان نزول میں یہ ذکر فرمایا ہے کہ

یہ خطاب دراصل ان مؤمنین اہل مکہ کو تھا جو ایمان لانے کے باوجود مدینہ منورہ کی طرف صرف اسی بنا پر ہجرت نہیں کر رہے تھے کہ ان کے والدین اور دیگر رشتہ دار مکہ میں بحالت عمل کفر موجود تھے تو ان سے خطاب کر کے انہیں آمادہ کیا گیا کہ وہ ایمانی تقاضے پر عمل کرتے ہوئے جلد از جلد ہجرت کریں اور اس راہ میں رشتہ داری کو خیال میں نہ لائیں۔

(تفسیر قرطبی ۸/۶۰)

بہر صورت شان نزول کچھ بھی ہو آیت کا مفہوم عام ہے کہ ایک مومن کی شان یہ ہے کہ وہ ایمان کے مقابلہ میں نہ تو کفر کو پسند کر سکتا ہے اور نہ کفار سے ایسا تعلق اس کے لیے روا ہے جو اس کے ایمان پر اثر انداز ہو جائے۔

کفار ہدایت سے محروم کیوں؟

آیت (۷): وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ (التوبہ: ۳۷)

ترجمہ:۔ اور اللہ تعالیٰ (ایسے) کافروں کو ہدایت (کی توفیق) نہیں دیتا۔

وضاحت:۔ اللہ تعالیٰ نے جب سے دنیا پیدا فرمائی ہے سال میں بارہ قمری مہینے مقرر فرمائے ہیں، جن میں سے چار مہینے (ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب) اشہر حرم کہلاتے ہیں، ملت ابراہیمی میں ان چار مہینوں میں قتل وقتال اور شکار کرنا منع تھا لیکن عرب کے مشرکین نے اپنی قتل و غارت گری کی عادت کی بنا پر اس قدر نظام کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا تھا۔ جب چاہتے اپنی نفسانی ضرورت سے اشہر حرم کو آگے پیچھے کر لیتے کبھی محرم کو صفر کبھی صفر کو محرم اور اسی طرح کا معاملہ دیگر مہینوں کا بھی تھا۔

قرآن کریم میں ان کے اس عمل پر شدید نکیر فرمائی گئی، اور اس بارے میں پوری آیت اس طرح نازل ہوئی:

اِنَّمَا النَّسِیٓءُ زِیَادَۃٌ فِی الْکُفْرِ یُضَلُّ بِهِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّیُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّیُوَاطِـُٔوْا عِدَّۃَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَیُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُیِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ○
(التوبۃ:۳۷)

(مہینوں کا) ہٹا دینا کفر میں اور ترقی ہے، جس سے کفار گمراہ کئے جاتے ہیں، حلال کر لیتے ہیں اس مہینے کو ایک برس اور دوسرے سال حرام رکھتے ہیں، تاکہ اللہ تعالیٰ نے جو مہینے حرام کیے ہیں ان کی گنتی پوری کرلیں، پھر اللہ کے حرام کئے ہوئے مہینے کو حلال کر لیتے ہیں، ان کی بداعمالیاں ان کو اچھی معلوم ہوتی ہیں، اور اللہ تعالیٰ ایسے کافروں کو ہدایت کی توفیق نہیں دیتا۔

یہ ہے پوری آیت! جس کا صرف آخری جز فرقہ پرستوں نے نفرت انگیزی کے لیے ماقبل سے کاٹ کر پیش کیا ہے جب کہ پوری آیت میں ان کافروں کے اصل جرم کی قلعی کھول دی گئی ہے، اور کوئی بھی منصف مزاج شخص مہینوں کے الٹ پھیر کے جرم کو نظر انداز نہیں کرسکتا، یہ تو ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی آدمی اپنے مفاد کی خاطر جنوری کو دسمبر کہنے لگے اور دسمبر کو جنوری، تو اس جھوٹ کو دنیا ہرگز قبول نہیں کرے گی اور ایسے ضدی اور ہٹ دھرم کفار کو ہدایت بھی نصیب نہ ہوگی اور اس کے علاوہ بھی قرآن کریم میں جہاں جہاں بھی اس طرح کی آیات ہیں ان کا تعلق کفار کے ایسے ہی جرائم سے ہے، اس لیے ان آیات کو اصل بدعملیوں سے ہٹ کر نہیں دیکھنا چاہئے۔

کن کافروں سے دوستی منع ہے؟

آیت(۸):۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَکُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَالْکُفَّارَ اَوْلِیَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (المائدہ:۵۷)

ترجمہ: ۔اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب مل چکی ہے جو ایسے ہیں کہ

جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے ان کو اور دوسرے کفار کو دوست مت بناؤ، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اگر تم ایمان دار ہو۔

وضاحت: اس آیت میں دراصل غیر مسلموں سے دلی تعلق اور دوستی رکھنے سے منع کیا گیا ہے اور اس کی علت بھی خود آیت ہی کے اندر موجود ہے، وہ علت یہ ہے کہ اگر ایک مؤمن کافر سے دلی تعلق رکھے گا تو رفتہ رفتہ یہ تعلق اتنا بڑھ سکتا ہے کہ کافر کی مذہبی رسومات اور طور طریقوں کی عظمت اس مؤمن کے دل میں بھی پید ہو جائے اور وہ بھی یہود و نصاریٰ وغیری کی طرح دین کو ہنسی مذاق سمجھنے لگے، جیسا کہ تجربہ سے بھی معلوم ہوتا ہے جب دوستی دل کی گہرائی تک پیوست ہو جاتی ہے تو دوست کی ہر اچھی بری بات پسند آنے لگتی ہے تو قرآن کریم ایمان کی قیمت پر کفار سے دوستی کو قطعاً ناپسند کرتا ہے، ہاں اگر تعلق اس درجہ کا نہ ہو، مثلاً غیر مسلم مہمان کی خاطر مدارات، تجارتی شرکت، غیر مسلم پڑوسیوں کے حقوق کا خیال یا انسانی ہمدردی کی بنیاد پر تعلق ہو تو اس میں شریعت وسعت ظرفی کے ساتھ اجازت دیتی ہے اور اس کی شرعاً کوئی ممانعت نہیں ہے، قرآن کریم کی کسی ایک آیت کو دیکھ کر اپنے مطلب کی بات نہیں سمجھی جاسکتی بلکہ اس موضوع کی سبھی آیات، احادیث شریفہ اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسوۂ مبارکہ کو سامنے رکھ کر حقیقی اسلامی تعلیمات تک پہنچا جاسکتا ہے۔

(ملخص از: معارف القرآن ۲/ ۵۰۔۵۱)

اسلام تمام غیر مسلموں کے ساتھ رواداری سے منع نہیں کرتا، بلکہ وہ صرف برسر پیکار دشمنوں سے مسلمانوں کے علی الرغم تعلق سے خبردار کرتا ہے، اور یہ بات عقل وانصاف کے عین مطابق بھی ہے اس لیے کہ کوئی بھی دانشمند حالت جنگ میں دشمنوں سے پینگیں بڑھانے کو درست قرار نہیں دے سکتا، قرآن کریم میں دوسری جگہ اس کی وضاحت اس طرح فرمائی گئی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَأْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ

(آل عمران:۱۱۸)

اے ایمان والو! اپنوں کے علاوہ کسی غیر کو رازدار خصوصی مت بناؤ وہ (غیر) تمہاری مضرت رسانی میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑتے، وہ تمہیں نقصان پہنچانے کی تمنا کرتے ہیں، ان کی زبانوں سے دشمنی نکلی پڑتی ہے، اور جو کچھ ان کے دل میں مخفی ہے وہ اس سے بہت زیادہ ہے۔

ایسے لوگ جو طبعی طور پر مسلمانوں سے کینہ رکھیں اور زبان کی ہفوات سے زیادہ عداوت کی گندگی ان کے دلوں میں بھری ہوئی ہو تو ایسے لوگوں سے دلی تعلق ایمانی غیرت کو ہرگز گوارا نہیں ہوسکتا، ہاں جو لوگ ان صفات کے نہ ہوں، ان سے رواداری برتنا شریعت کا حکم ہے اور تاریخ گواہ ہے کہ ایسے موقع پر مسلمانوں نے رواداری میں کبھی کوئی دریغ نہیں کیا، خود ہندوستان میں مسلم بادشاہوں نے اگر رواداری کا نمونہ پیش نہ کیا ہوتا تو آج اس ملک کی آبادی کا نقشہ موجودہ تناسب سے یقیناً مختلف ہوتا، یہ ان حکمرانوں کی عظیم الشان رواداری ہی کا نتیجہ ہے کہ کئی صدیوں تک مسلم حکومت رہنے کے باوجود یہاں غیر مسلموں کو برابر عزت واحترام حاصل رہا ہے، اور ان کی کوئی حق تلفی نہیں کی گئی، اس کے برعکس وہ آج اقتدار کے گلیاروں پر پہنچ کر جس تعصب وامتیاز کا مظاہرہ کر رہے ہیں وہ ان کی تنگ نظری کی کھلی دلیل ہے۔

منافقوں کو پھٹکار

آیت(۹):۔ مَلْعُوْنِيْنَ ۛ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا (الاحزاب:۶۱)

ترجمہ:۔ پھٹکارے ہوئے، جہاں ملیں گے پکڑ دھکڑ اور مار دھاڑ کی جائے گی۔

پس منظر:۔ اس آیت کا تعلق دور نبوت میں مدینہ منورہ میں رہنے والے شرارت پسند اور فتنہ پرور منافقین سے ہے، یہ لوگ زبانی طور پر اسلام کا اظہار کرتے تھے مگر اندر اندر کافر

تھے اور ہمیشہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے درپے رہتے تھے، مسلمان عورتوں کے ساتھ چھیڑ خانی کرتے اور افواہیں پھیلا کر معاشرہ میں انتشار برپا کرنے میں طاق تھے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ان منافق کفار کو اس طرح آگاہ کیا گیا:

لَىِٕنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا مَّلْعُوْنِيْنَ ۛ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ○

(الاحزاب ۶۰۔۶۱)

البتہ اگر باز نہ آئے منافق اور جن کے دل میں مرض ہے، اور مدینہ میں جھوٹی افواہیں اڑانے والے، تو ضرور ہم آپ کو ان پر مسلط کریں گے، پھر یہ لوگ آپ کے پاس مدینہ میں بہت ہی کم رہنے پائیں گے، وہ بھی ہر طرف سے پھٹکارے ہوئے، جہاں ملیں گے پکڑ دھکڑ اور مار دھاڑ کی جائے گی۔

ظاہر ہے کہ کوئی بھی حکومت ایسے مجرموں کے ساتھ ڈھیل کا معاملہ نہیں کرسکتی جن کی وجہ سے معاشرہ کا سکون برباد ہو اور لوگوں کی عزتیں محفوظ نہ ہوں، ان کے ساتھ سختی کرنا عین تقاضائے انصاف ہے۔ یہاں ان منافقوں کو جو بھی سزا دی جارہی ہے وہ ان کے کالے کرتوتوں کی بنا پر ہے، ان کے جرائم سے صرف نظر کر کے محض سزا والے جملوں کو نقل کر دینا اور پھر انہیں مطلقاً تمام دنیا کے ہر طرح کے کفار پر منطبق کرنا محض تلبیس اور دھوکہ دہی ہے۔ جس کا مقصد سوائے اشتعال انگیزی کے کچھ نہیں، اگر یہ آیت تمام غیر مسلموں کے لیے عام ہوتی تو کسی اسلامی اقتدار میں کوئی غیر مسلم سانس بھی نہیں لے سکتا تھا، مگر دنیا نے دیکھا کہ اسلامی اقتدار میں غیروں کو جو تحفظات حاصل رہے وہ اپنی مثال خود آپ ہیں، اس لیے اس آیت کا تعلق عام کفار سے ہے ہی نہیں، یہ تو صاف طور پر مجرموں سے متعلق ہے۔

(معارف القرآن وغیرہ ۷/۲۳۵)

معبودان باطلہ جہنم میں

آیت (۱۰): ۔اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۭ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ (الانبیاء:۹۸)

ترجمہ: ۔ بے شک تم (اے مشرکین) اور جن کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو سب جہنم میں جھونکے جاؤ گے،تم سب اس میں داخل ہو گے ۔

وضاحت: اسلام کی نظر میں شرک بدترین گناہ ہے،اور یہ بات ساری دنیا جانتی ہے کہ اسلام کی بنیادی تعلیم وحدانیت کی ہے،قرآن کریم میں دسیوں جگہ شرک کی سخت مذمت اور وحدانیت کی نہایت تاکیدوارد ہوئی ہے،اور جا بجا غیر اللہ کی عبادت کے بطلان پر مضبوط دلائل دیئے گئے ہیں،ان ہی میں سے ایک مذکورہ آیت بھی ہے جس کے مضمون کی تکمیل اگلی آیت پر ہوتی ہے پہلے یہ بیان کیا گیا کہ مشرکین اوران کے معبودان باطلہ جن پر یہ مشرکین پوری زندگی بھروسہ کیے رہے اوران کی پوجا اور نذرونیاز کر کے یہ سمجھتے رہے کہ یہ ہمارے آڑے وقت میں کام آئیں گے، اللہ نے فرمایا کہ وہ تمہیں کیا بچاتے خود بھی نہیں بچ پائیں گے،اس کے بعد آگے ان معبودوں کے غلط ہونے پر دلیل اس طرح قائم فرمائی:

لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَاۗءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ۭ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (الانبیاء:۹۹)

اوراگر یہ تمہارے معبود،واقعی)معبود ہوتے تو جہنم میں نہ جاتے اور سارے اس میں ہمیشہ پڑے رہیں گے ۔

یعنی آخرت میں جب ان معبودوں کے پجاریوں کو مدد کی سخت ضرورت ہوگی تو معبودوں کی جان کے خود ہی لالے پڑے ہوں گے،اگر ان میں کچھ دم ہوتا اوران کو واقعتاً کچھ اختیارات حاصل ہوتے تو وہ ہرگز عذاب میں گرفتار نہ ہوتے،حالانکہ ان کا عذاب میں مبتلا رہنا بالکل طے شدہ ہے،تو معلوم ہوا کہ ان کا معبود ہونا بھی محض ڈھونگ ہے،نفع نقصان کچھ ان کے اختیار میں نہیں ہے۔الغرض آیت ۹۸ کو آیت ۹۹ سے ملا کر دیکھنا

چاہئے۔اس کے بغیر صحیح مطلب تک رسائی نہیں ہوسکتی،اور دونوں کو ملا کر دیکھنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آیت کا تعلق وحدانیت کے اثبات کے مضمون سے ہے،اور عقیدۂ توحید اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے۔وہ کسی کو اچھا لگے یا برا اس کی بنا پر عقیدہ میں ترمیم یا تبدیلی کا نعوذ باللہ خیال بھی دل میں نہیں لایا جاسکتا۔

سب سے بڑا ظالم

آیت(۱۱): وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ؕ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ (الم السجدہ:۲۲)

ترجمہ: اور اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جس کو اس کے رب کی آیتیں یاد دلائی جائیں، پھر وہ ان سے اعراض کرے،ہم ایسے مجرموں سے بدلہ لیں گے۔

وضاحت: اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا، پھر اس کو راہ ہدایت بتانے کے لیے پیغمبروں کو بھیجا اور آیتیں اتاریں،کتابیں عطا کی گئیں اور انہیں سمجھانے والے داعیان بھی آتے رہے اب اگر کوئی شخص ان خدائی آیتوں کو نہ ماننے اور پیغمبروں کا انکار کرتا رہے اور اس طرح اپنے رب کی نافرمانی کا مرتکب ہو اور اپنے خالق و مالک کو بھلا بیٹھے تو ظاہر ہے کہ اس سے بڑا بے انصاف اور ظالم شخص کون ہوسکتا ہے؟ اور جو بھی ایسے جرم کا ارتکاب کرے گا خدائے برتر اس سے بدلہ لے گا، یہ نہایت معقول بات ہے جو قرآن کریم میں متعدد جگہ ارشاد فرمائی گئی ہے،لہٰذا اس میں کسی کو ناراض ہونے کی ضرورت نہیں،اگر عذاب سے بچنے کا واقعی جذبہ ہے تو اس کی واحد صورت یہ ہے کہ انکار و اعراض کی راہ چھوڑ کر تسلیم و انقیاد کا راستہ اپنایا جائے،ورنہ خدا کی نافرمانی اور اس سے اعراض کو کوئی بھی عقل و ہوش رکھنے والا شخص قابل معافی جرم نہیں مان سکتا،یہ جرم اتنا سخت ہے کہ اس سے چشم پوشی کرنے والا شخص خود ہی ناقابل معافی سزا کا مستحق ہے۔ہمارے برادران وطن کو چند فتنہ پروروں کے کہنے میں آکر ایسی آیتوں پر برافروختہ ہونے کے بجائے انصاف کی نظر سے ان آیات خداوندی کا مطالعہ

کرنا چاہئے جن سے اعراض کرنے کو قرآن کریم نے ناقابل معافی جرم قرار دیا ہے۔جب وہ گہری نظر سے قرآن کی واضح اخلاقی ہدایات اور مظاہر قدرت کے کھلے ہوئے دلائل کا مشاہدہ کریں گے تو انہیں خود ہی اندازہ ہو جائے گا کہ ان کھلی ہوئی باتوں کا انکار ظلم ہے یا نہیں؟

مال غنیمت کی حلت

آیت (۱۲) وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَأْخُذُوْنَهَا (الفتح:۲۰)

ترجمہ: ۔اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کر رکھا ہے جن کو تم لو گے۔

آیت (۱۳): ۔فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا (الانفال:۶۹)

ترجمہ: ۔سو کھاؤ جو تم کو غنیمت میں ملا حلال ستھرا۔

وضاحت: ۔ان دونوں آیتوں میں مال غنیمت کے حلال ہونے کا تذکرہ ہے۔جس کا ترجمہ ہندو شرارت پسندوں نے بریکٹ میں ''لوٹ'' کا کر کے اشتعال دلانے کی کوشش کی ہے، اور ایسا تاثر دیا گیا ہے کہ گویا قرآن میں مطلقاً لوٹ مار کر کھانے کی ترغیب دی گئی ہے، حالانکہ یہ بات سرے سے غلط ہے مال غنیمت اس مال کو کہا جاتا ہے، جو شرعی شرائط وحدود پر جہاد کرنے کے بعد دشمنوں سے حاصل ہوا ہو، خواہ مخواہ کسی غیر مسلم سے لوٹ مار کر کے حاصل شدہ مال ہرگز مال غنیمت نہیں کہلایا جا سکتا، اور دشمنوں سے حالت جنگ میں مال لینا یا ان کی معیشت پر قبضہ کر کے ان کی اقتصادیات کو تباہ کر دینا بسا اوقات نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہو جاتا ہے تا کہ وہ آئندہ شرارت نہ پھیلا سکیں، عقل وانصاف کی رو سے یہ کوئی ناگواری کی بات نہیں ہے، الغرض غنیمت لوٹ نہیں بلکہ دشمنوں کو اقتصادی سزا دینے کا طریقہ ہے اور یہ معاملہ صرف دشمنوں سے ہی کیا جا سکتا ہے، جو کفار پر امن رہتے ہوں، یا ان سے اسلامی حکومت کا معاہدہ ہو تو ان کے جان ومال پر دست درازی اسی طرح حرام ہے جیسے ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کی حق تلفی حرام ہوتی ہے، لہٰذا پر امن کفار کو مال غنیمت کی حلت کے حکم سے پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

کفّار و منافقین سے جہاد

آیت (۱۴): يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۹ (التحریم:۹)

ترجمہ: ۔اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفار سے اور منافقین سے جہاد کیجئے، اور ان پر سختی کیجئے، اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور وہ بری جگہ ہے۔

وضاحت: اس آیت کے پس منظر میں ان مظالم کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے جو کفار و منافقین کی طرف سے اہل اسلام پر ہوتے آرہے تھے، جن کی پیش بندی کے لیے ان دشمنوں سے جہاد کرنے اور ان سے سختی سے نپٹنے کا حکم دیا گیا، قرآن کریم کی دیگر آیات کو سامنے رکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قتل و قتال کا حکم ہر کافر کے ساتھ نہیں ہے، بلکہ انہی کفار کے ساتھ ہے جو اسلام اور اہل اسلام کے لیے خطرہ بنے ہوئے ہوں، اور جو جنگ کے بغیر اپنی شرارتوں سے باز آنے پر تیار ہی نہ ہوں، رہ گئے وہ کفار جو اس صفت کے نہ ہوں تو ان کے بارے میں یہ حکم نہیں ہے، بلکہ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی قرآن و سنت میں تعلیم دی گئی ہے۔

آخرت میں کفّار کا انجام

آیت (۱۵): فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (حم السجدۃ ۲۷)

ترجمہ: ۔سو ہم ان کافروں کو سخت عذاب کا مزہ چکھا دیں گے، اور ان کو برے برے کاموں کی سزا دیں گے۔

آیت (۱۶): ۔ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ؕ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝۲۸ [حم السجدہ:۲۸)

ترجمہ: یہی سزا ہے اللہ کے دشمنوں کی، یعنی دوزخ، ان کے لیے وہاں ہمیشگی کا مقام ہوگا، اس بات کے بدلے میں کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے۔

وضاحت: ۔مذکورہ دونوں آیتوں میں اسلام کے عقیدۂ آخرت کے بموجب کفار کا انجام بیان کیا گیا ہے ۔ان اعلانات کی حقیقت کا پتہ یہاں دنیا میں نہیں لگایا جاسکتا، یہ حقیقت تو مرنے کے بعد ہی معلوم ہوگی کہ کون عذاب میں ہے اور کون راحت میں؟ اس لیے جس کو آیات خداوندی پر یقین ہے وہ عذاب والے عقائد سے بچنے کی کوشش کرے اور جسے آخرت پر یقین ہی نہ ہو اس کے لیے ایسے سب اعلانات بے معنی ہیں، جب وہ اسے حقیقت ہی نہیں سمجھتا تو اس سے خوف زدہ یا دہشت زدہ ہونے کی بھی کوئی وجہ نہیں ہے، جیسا کہ مکّہ کے مشرکین کے سامنے جب اس طرح کی آیات پڑھی جاتی تھیں تو وہ صاف صاف کہتے تھے کہ یہ تو سب پرانی باتیں ہیں اب مرنے کے بعد ہمیں دوبارہ زندگی ملنے والی نہیں ہے ،اسی طرح آج جو آخرت کے منکر ہیں انہیں بھی کفار کی سزا والے قرآنی اعلانات سے پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں وہ سب موت کا انتظار کریں پھر خود ہی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔

جان و مال کی قربانی کے بدلہ میں جنت کا وعدہ

آیت(۱۷): ۔اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ ○(التوبہ:۱۱۱)

ترجمہ: ۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جان اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی ،وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، جس میں قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں۔

وضاحت: ۔اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو جنت کی خوش خبری سنائی ہے، جو دراصل دین کے لیے ان کی طرف سے پیش کردہ جانی اور مالی قربانیوں کا صلہ ہے ۔ اہل ایمان کو دشمنوں کے نرغہ سے بچانے کے لیے اگر جان کی بازی لگانی پڑے تو بھی مؤمن کو ہر وقت تیار رہنا چاہئے، اور ظاہر ہے کہ جب دشمنوں سے جنگ کی نوبت آئے گی تو دونوں باتیں ہوں گی کبھی دشمن مارے جائیں گے اور کبھی مؤمن کو شہادت نصیب ہوگی بہر کیف اس آیت

کا مقصد دین کے لیے قربانی دینے کے اسی جذبہ سے ہے، اس میں یہ نہیں کہا گیا کہ خواہ مخواہ کفار سے جنگ کی جائے یا بے قصوروں کو ستایا جائے وغیرہ، بلکہ اہل ایمان کی ایک صفت بیان کی گئی کہ جب جانی یا مالی قربانی کا موقع آتا ہے (جو ایک ناگزیر حالت ہے یعنی جب قتال کے علاوہ کوئی راستہ ہی تحفظ دین کا باقی نہ رہے) تو مومنین کی شان یہ ہے کہ وہ کسی طرح کی بھی قربانی سے دریغ نہ کریں۔ یہ جذبہ اللہ کے یہاں اتنا گراں قدر ہے کہ اس کے بدلہ میں جنت کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ لہٰذا اس آیت کو کفار کی دشمنی کے بجائے اہل ایمان کے ایمانی جذبات کے تناظر میں دیکھنا چاہئے، جو آیت کا اصل مقصود ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ اگر مسلمانوں میں یہ جذبہ بیدار نہ رہتا تو دشمنانِ دین کب کے دین کو مٹانے میں کامیاب ہو چکے ہوتے، امت میں اس جذبہ کا وجود بھی بظاہر اسباب آج دنیا میں دین کی بقا کا سبب بنا ہوا ہے۔

منافقین و کفار جہنم میں

آیت (۱۸): وَعَدَ اللّٰہُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْکُفَّارَ نَارَ جَہَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْہَا ؕ ہِیَ حَسْبُہُمْ ۚ وَلَعَنَہُمُ اللّٰہُ ۚ وَلَہُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ○ (التوبہ:۶۸)

ترجمہ: ۔ اللہ تعالیٰ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور علانیہ کفر کرنے والوں سے دوزخ کی آگ کا عہد کر رکھا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور وہ ان کے لیے کافی (سزا) ہے، اور اللہ ان کو اپنی رحمت سے دور کر دے گا اور ان کو عذاب دائمی ہوگا۔

وضاحت: ۔ اس آیت کا تعلق بھی عقیدۂ آخرت سے ہے، جو لوگ آخرت پر یقین ہی نہیں رکھتے اور جن کے مذہب میں آخرت کا تصور ہی نہیں ہے انہیں اس طرح کی آیتوں سے ڈرنے کا کوئی مطلب نہیں، ان سے تو صرف وہی ڈرے گا جو آخرت پر یقین رکھتا ہو، اس لیے ان آیات کو فتنہ انگیزی کی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا۔

جہاد کی ترغیب

آیت (۱۹): یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ ؕ اِنْ یَّکُنْ

مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ (الانفال:۶۵)

ترجمہ: اے پیغمبر! آپ مؤمنین کو جہاد کی ترغیب دیجئے اگر تم میں کے بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دوسو پر غالب آجاویں گے اور اگر تم میں کے سو آدمی ہوں گے تو ایک ہزار کفار پر غالب آجاویں گے اس وجہ سے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو دین کو کچھ نہیں سمجھتے۔

پس منظر: ۔اس آیت کو بطور اعتراض پیش کرنے والوں کو یہ تو یاد رہا کہ اس میں ایمان والوں کو جہاد کی ترغیب دی گئی، لیکن یہ بھول گئے کہ کن حالات میں یہ حکم نازل ہوا، اس کی کچھ تفصیل ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ جب مشرکین کی طرف سے ظلم وستم کی حد ہوگئی اور یقینی طور پر یہ بات آشکارا ہوگئی کہ جہاد کے بغیر مفسدین کے فتنہ وفساد کا سلسلہ بند نہ ہو سکے گا تو مسلمانوں کو آخری حربہ کے طور پر دشمن کفار سے جنگ کرنے کی تلقین کی گئی، تو یہ حکم یقینا برحق ہے، لیکن اس کا نفاذ وہیں ہوگا جہاں جنگ کے حالات پائے جائیں حالت امن ومعاہدہ کے لیے یہ حکم نہیں دیا گیا ہے۔

یہود ونصاریٰ سے پکی دوستی کی ممانعت

آیت(۲۰): ۔يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ○(المائدہ:۵۱)

ترجمہ: ۔اے ایمان والو! تم یہود ونصاریٰ کو دوست مت بنانا وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں، اور جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے گا بے شک وہ انہی میں سے ہوگا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو سمجھ نہیں دیتے جو اپنا نقصان کر رہے ہیں۔

وضاحت: ۔ یہود ونصاریٰ کی اسلام دشمنی کوئی ڈھکی چھپی نہیں ہے بلکہ اسلام کی آمد سے لے کر آج تک تاریخ کے ہر دور میں ان دونوں فرقوں نے اسلام کی بیخ کنی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے ۔انہوں نے مادی، علمی، اقتصادی، سیاسی الغرض ہر میدان میں اسلام اور

اہل اسلام کے خلاف محاذ کھول رکھا ہے۔قرون متوسطہ میں سالہاسال تک صلیبی جنگیں لڑی جاتی رہیں۔پھر اسپین میں اسلام کی بساط الٹی گئی بلقان کے علاقوں میں صدیوں سے مسلمانوں کی خون ریزی جاری ہے۔انگریز کے خونچکاں بدترین مظالم سے تاریخ کے صفحات سیاہ ہیں اور آج اسرائیل چیچینیا، بوسنیا کوسوواوغیرہ میں بھی یہی طاقتیں اسلام سے برسر پیکار ہیں اور مسلمانوں کا نام ونشان مٹانے پر تلی ہوئی ہیں، ان اقوام کی سرشت اور جبلّی صفات کو اللہ سے زیادہ کون جان سکتا ہے،لہذااس نے یہ حقیقت بیان کردی کہ یہ لوگ آپس ہی میں چٹے بٹے ہیں، یہ تمہارے وفادار نہ کبھی ہوسکے ہیں اور نہ ہوسکتے ہیں اس لیے ان کی دوستی پر کبھی بھروسہ نہ کرو، جب بھی ان کی دوستی پر بھروسہ کیاجائے گا نقصان اٹھانا پڑے گا۔ بریں بنا یہ قابل اعتراض ہرگز نہیں، کیوں کہ اس میں جو حقیقت بیان ہوئی ہے تاریخ کے حقائق اور مشاہدہ کی آنکھیں برابر اس کی تائید کرتی رہی ہیں اس لیے سارے عالم کے مسلمانوں کو یقیناً ان بدخواہ طاقتوں سے ہوشیار رہنا چاہئے۔اس کے بغیر وہ نقصانات اور ذلتوں سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ آج دنیا میں مسلمانوں کی ذلت کی اصل وجہ یہی ہے کہ انہوں نے اپنے کھلے ہوئے بدخواہ دشمنوں کو اپنا دوست اور مشیر بنا رکھا ہے۔جس کا بدترین انجام عالمی ذلت ونکبت کی صورت میں نمایاں ہے۔اللہم احفظنا منہ۔

اہل کتاب سے قتال وجزیہ کا حکم

آیت: (۲۱) :۔قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ (التوبہ:۲۹)

ترجمہ:۔اہل کتاب جو کہ نہ خدا پر (پورا پورا) ایمان رکھتے ہیں اور نہ قیامت کے دن پر اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جن کو خدا نے اور اس کے رسول نے حرام بتلایا ہے اور نہ سچے دین (اسلام) کو قبول کرتے ہیں ان سے یہاں تک لڑو کہ وہ ماتحت ہوکر اور رعیت بن کر

جزیہ دینا قبول کرلیں۔

وضاحت: یہ حکم معاہدے والی قوموں کے متعلق نہیں، بلکہ ان اہل کتاب کے بارے میں ہے جو اسلام اور اہل اسلام کے لیے خطرہ بن جائیں، تو ضروری ہو جاتا ہے کہ ان کی فتنہ سامانیوں پر پیشگی بند لگایا جائے اور چوں کہ ان کی سرشت میں اسلام دشمنی پیوست ہے اس لیے جب تک ان کی طاقت بالکل مغلوب نہ ہو جائے اور وہ ذلت کے ساتھ اسلامی حکومت کی ماتحتی قبول نہ کرلیں اس وقت تک ان کے ساتھ کوئی رعایت نہ برتی جائے، کیوں کہ دشمن کو کسی حد تک پہونچائے بغیر چھوڑ دینا بعد میں مزید خطرات کا باعث بن جاتا ہے۔

اہل کتاب کی آپس میں عداوت

آیت (۲۲): فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ○ (المائدہ:۱۷)

ترجمہ: ۔اور ہم نے ان میں باہم قیامت کے لیے بغض وعداوت ڈال دیا، اور اللہ تعالیٰ عنقریب ان کو ان کے کرتوتوں کے بارے میں آگاہ فرمادے گا۔

وضاحت: ۔یہ آیت یہود ونصاریٰ کے تذکرہ کے ضمن میں نازل ہوئی جس کا مفہوم یہ ہے کہ مذہبی اعتبار سے یہودیوں اور عیسائیوں اور اسی طرح عیسائیوں کے مختلف فرقوں کے درمیان دشمنی اور عداوت ڈال دی گئی ہے جو قیامت تک باقی رہے گی، چنانچہ اسلام کے آنے سے قبل یہ دونوں فرقے باہم دست وگریباں رہتے تھے اور اسلام کی آمد کے بعد اگرچہ دونوں اسلام کے مقابلہ میں متحد ہو جاتے ہیں، لیکن اندرونی طور پر ان میں آپس میں شدید قسم کے اختلافات پہلے بھی موجود تھے اور اب بھی موجود ہیں، یہودیت اور عیسائیت کی تاریخ سے واقف ہر شخص اس بات کو جانتا ہے، لہٰذا قرآن کریم نے اگر اس حقیقت کو آشکارا کردیا تو اس پر چیں بجبیں ہونے کا کوئی موقع نہیں اور نہ کسی کی وجہ سے کسی کو ناراض ہونے کی ضرورت ہے اور خاص کروہ ہندو شدت پسند جن کا اس آیت کے سیاق وسباق سے کوئی تعلق نہیں ان کا اس

آیت پر اعتراض قطعاً بے معنی اور محض شر انگیزی ہے۔

کفار و منافقین چاہتے کیا ہیں؟

آیت(۲۳): وَدُّوۡا لَوۡ تَكۡفُرُوۡنَ كَمَا كَفَرُوۡا فَتَكُوۡنُوۡنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوۡا مِنۡهُمۡ اَوۡلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ‌ؕ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَخُذُوۡهُمۡ وَاقۡتُلُوۡهُمۡ حَيۡثُ وَجَدْتُّمُوۡهُمۡ‌ۖ وَلَا تَتَّخِذُوۡا مِنۡهُمۡ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيۡرًا ۙ(النساء:۸۹)

ترجمہ:۔ وہ اس تمنا میں ہیں کہ جیسے وہ کافر ہیں تم بھی کافر بن جاؤ، جس میں تم اور وہ سب ایک طرح کے ہو جاؤ، سو اُن میں سے کسی کو دوست مت بنانا، جب تک کہ وہ اللہ کی راہ میں ہجرت نہ کریں، اور اگر وہ اعراض کریں تو ان کو پکڑو جس جگہ ان کو پاؤ، اور نہ ان میں کسی کو دوست بناؤ اور نہ مددگار بناؤ۔

پس منظر:۔ اس آیت کے شان نزول میں متعدد حضرات مفسرین نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ کچھ کفار مکہ سے مدینہ منورہ آئے اور انہوں نے یہاں آ کر اپنے کو مومن ظاہر کیا لیکن مدینہ کی آب و ہوا انہیں راس نہ آئی اور وہ بہانہ بنا کر پھر واپس مکہ چلے گئے تو ان کے متعلق مسلمانوں میں اختلاف ہو گیا بعض لوگ کہتے تھے کہ یہ لوگ مومن ہیں اور بعض کہتے تھے کہ نہیں یہ لوگ کافر اور منافق ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اصل حالت کی خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ ایسے منافقوں کے بارے میں اختلاف کرنے کا کوئی جواز نہیں اور ایسے دھوکہ باز لوگ ہرگز رحم کے قابل نہیں ان کا منشا تو اصل میں یہ ہے کہ جس طرح خود کافر ہیں اسی طرح مسلمانوں کو بھی کافر بنا کر دم لیں، لہٰذا ان سے دوستی اپنے ایمان کے لیے خطرناک ہے اس لیے اس سے احتراز لازم ہے۔ (تفسیر قرطبی ۳/ ۲۶۴) اور جب تک وہ مکہ سے ہجرت (جو ابتداء اسلام میں فرض تھی) نہ کر لیں اس وقت تک وہ اعتبار کے قابل نہیں، اور چوں کہ اس وقت مکہ والوں سے جنگی حالات چل رہے تھے، لہٰذا بجا طور پر یہ حکم دیا گیا کہ اگر یہ لوگ ہجرت نہ کریں اور اسلام دشمنی پر کمر بستہ رہیں تو پھر ان کی جان کی خیر نہیں ہے، تو یہ حکم صرف کھلے دشمن کے لیے ہے اس کے برعکس جو کفار صلح اور امن و آشتی کے

ساتھ رہیں ان کے ساتھ امن کا معاملہ کیا جائے گا اور انہیں ستایا نہیں جائے گا چنانچہ اسی آیت کے فوراً بعد اگلی آیت میں اس کی صراحت اس طرح فرمائی گئی ہے۔

اِلَّا الَّذِیۡنَ یَصِلُوۡنَ اِلٰی قَوۡمٍۭ بَیۡنَکُمۡ وَبَیۡنَهُمۡ مِّیۡثَاقٌ اَوۡ جَآءُوۡکُمۡ حَصِرَتۡ صُدُوۡرُهُمۡ اَنۡ یُّقَاتِلُوۡکُمۡ اَوۡ یُقَاتِلُوۡا قَوۡمَهُمۡ ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمۡ عَلَیۡکُمۡ فَلَقٰتَلُوۡکُمۡ ۚ فَاِنِ اعۡتَزَلُوۡکُمۡ فَلَمۡ یُقَاتِلُوۡکُمۡ وَاَلۡقَوۡا اِلَیۡکُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَکُمۡ عَلَیۡهِمۡ سَبِیۡلًا۝ (نساء:۹۰)

مگر جو لوگ ایسے ہیں جو کہ ایسے لوگوں سے جا ملتے ہیں کہ تمہارے اور ان کے درمیان عہد ہے یا خود تمہارے پاس اس حالت سے آویں کہ ان کا دل تمہارے ساتھ اور نیز اپنی قوم کے ساتھ لڑنے سے منقبض ہو اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کو تم پر مسلط کر دیتا پھر وہ تم سے لڑنے لگتے پھر اگر وہ تم سے کنارہ کش رہیں یعنی تم سے نہ لڑیں اور تم سے سلامت روی رکھیں تو اللہ تعالیٰ نے تم کو ان پر کوئی راہ نہیں دی۔

اس آیت نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیا کہ اسلام "صلح جو" کافروں سے خواہ مخواہ قتل و قتال کی ہرگز اجازت نہیں دیتا معترضین کا اس طرح کی آیتوں سے صرف نظر کر کے دیگر آیتیں پیش کرنا اور پھر اپنی مرضی سے ان کے معنی متعین کر کے فتنہ پھیلانا بدترین قسم کی جعل سازی اور فریب دہی ہے جسے قطعاً قبول نہیں کیا جا سکتا۔

بدعہدوں کی سزا

آیت (۲۴):۔ قَاتِلُوۡهُمۡ یُعَذِّبۡهُمُ اللّٰهُ بِاَیۡدِیۡکُمۡ وَیُخۡزِهِمۡ وَیَنۡصُرۡکُمۡ عَلَیۡهِمۡ وَیَشۡفِ صُدُوۡرَ قَوۡمٍ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۴﴾ (التوبہ:۱۴)

ترجمہ: اُن سے لڑو، اللہ تعالیٰ ان کو تمہارے ہاتھوں سے سزا دے گا اور ان کو ذلیل کرے گا اور تم کو ان پر غالب کرے گا اور بہت سے مسلمانوں کے قلوب کو شفا دے گا۔

پس منظر:۔ یہ آیت عام نہیں بلکہ ایک خاص پس منظر میں نازل ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ

اوپر سے مکہ کے ان بدعہد کفار کا تذکرہ چل رہا ہے جنہوں نے مسلمانوں کے حلیف بنوخزاعہ کو جانی و مالی نقصان پہنچانے میں قبیلہَ بنوبکر کی درپردہ مدد کر کے حدیبیہ کے ناجنگ معاہدہ کو پامال کردیا تھا اور بیٹھے بٹھائے چھیڑخوانی کے مرتکب ہوئے تھے، جس کی کچھ تفصیل ہم بیان کر چکے ہیں، تو ظاہر ہے کہ ایسے بدعہدوں کو سزا دینی لازم تھی چنانچہ ان کفار کو ان کی اوقات بتانے کے لیے قرآن کریم نے مسلمانوں کو ان الفاظ میں للکارا۔

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ (التوبہ:۱۳)

تم ایسے لوگوں سے کیوں نہیں لڑتے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور رسول کے جلاوطن کر دینے کی تجویز کی اور انہوں نے تم سے پہلے خود چھیڑ نکالی، کیا ان سے (لڑنے سے) تم ڈرتے ہو! سو اللہ تعالیٰ اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ تم ان سے ڈرو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

اِس کے بعد اگلی آیت نمبر ۱۴ رمیں باقاعدہ ان بدعہدوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس لیے آیت نمبر ۱۴ کو آیت نمبر ۱۳ کے ساتھ ملا کر مطالعہ کرنا چاہئے، تاکہ مطلب واضح ہو سکے قرآن کریم میں ایک مضمون کی آیات ایک دوسرے سے مربوط ہوتی ہیں، ان میں سے کسی ایک آیت کو دیکھ کر صحیح مفہوم تک نہیں پہنچا جا سکتا،، بلکہ سیاق وسباق کا مطالعہ ضروری ہوتا ہے ورنہ مطلب خبط ہو جائے گا۔

الغرض یہ آیات خاص دشمنوں اور بدعہدی کرنے والے شریروں سے متعلق ہیں ان کو عمومی معنی میں رکھ کر فتنہ انگیزی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

کیا پتہ چلا؟

مذکورہ وضاحتوں سے قارئین نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ وشو ہندو پریشد وغیرہ کی طرف سے

قرآنی آیات پر اعتراضات محض دھوکہ ہیں جن کا حقیقت اور واقعیت سے کوئی تعلق نہیں ہے قرآن کی آیتیں ہرگز نفرت نہیں پھیلاتیں بلکہ ان پر اعتراض کرنے والے یہ لوگ ہی دراصل نفرت کے سوداگر ہیں جو مسلمانوں اور اقلیتوں کی لاشوں اور ان کی جلی ہوئی املاک پر اپنی قیادت کی کرسی جمارہے ہیں یہ لوگ چوں کہ خود تنگ نظر ہیں اس لیے اسلام کی تعلیمات کو بھی تنگ نظر ثابت کرنا چاہتے ہیں، جب کہ اسلام کی وسعت ظرفی، انسانیت نوازی اور فطرت انسانی سے پوری طرح ہم آہنگی اور آفاقیت روز روشن کی طرح عیاں ہے، کوئی بھی منصف مزاج اس سے انکار کرنے کی ہمت نہیں کرسکتا، ہاں جس نے خود اپنی آنکھوں پر تعصب کی پٹی باندھ رکھی ہو، اس سے واقعتاً ہدایت وانصاف کی امید نہیں رکھی جاسکتی، اور جنہوں نے اپنی زندگی کا مقصد ہی فتنہ پروری اور منافرت کا بنالیا ہو ان سے کسی معقول بات کی تمنا کرنا بھی فضول ہے۔

قرآن کریم کوئی نئی کتاب نہیں

ذرا سوچیں تو سہی قرآن کریم کوئی نئی کتاب نہیں، آج اس کو نازل ہوئے ساڑھے چودہ سو سال کا عرصہ ہورہا ہے، اس درمیان قرآن کے تراجم دنیا کی تمام بڑی زبانوں میں ہوچکے ہیں اور عالم کے چپہ چپہ پر اسے صدیوں سے پڑھا اور سمجھا جاتا ہے مسلمان تو پڑھتے ہی ہیں بڑی تعداد میں غیر مسلم بھی اسے پڑھتے آئے ہیں، ان گذشتہ صدیوں کی تاریخ اٹھا کر دیکھئے اسلامی حکومتوں میں کب اور کہاں غیر مسلموں پر مظالم ڈھائے گئے؟ اگر اکّا دکّا کوئی واقعہ کہیں ملے گا تو اس کا تعلق اسلامی تعلیمات سے نہیں بلکہ حاکم کے شخصی عمل سے ہوگا لیکن جب اسلامی تعلیمات کی روشنی میں فیصلہ اور حکم کی بات آئے گی تو ہمیشہ امن اور انصاف کا پہلو نمایاں نظر آئے گا۔

اگر قرآن کی تعلیمات ایسی ہی نفرت انگیز ہوتیں جیسی باور کرانے کی وشوہندو پریشد نے کوشش کی ہے تو ان ممالک میں جہاں صدیوں مسلم حکومتیں رہی ہیں کوئی کافر نمونہ کے طور پر بھی ہاتھ نہ آتا، اور جو بدزبان آج زہر اگل رہے ہیں ان کے آباء واجداد کے وجود سے قبل

ہی ان کی نسلوں کا نام ونشان مٹا دیا جاتا،مگر ایسی نفرت کی بات کوئی تھی ہی نہیں اسی لیے مسلم حکومتوں کے زیرنگیں غیر مسلم بھی پوری آزادی کے ساتھ پروان چڑھتے رہے،اورانہوں نے کبھی یہ آواز نہیں اٹھائی کہ ”قرآنی آیات بدل دی جائیں،کیوں کہ اس سے نفرت پھیلتی ہے۔“ اس لیے کہ وہ اچھی طرح یہ جانتے تھے کہ قرآن ہرگز نفرت کی تعلیم نہیں دیتا،اورتو اورخود میرے غیر مسلم، ہندو مفکرین مسٹر گاندھی وغیرہ نے قرآن کا مکمل مطالعہ کرکے اس کے بارے میں شاندار الفاظ میں تبصرے تاریخ کے صفحات پر درج کرائے ہیں،تو کیا غیر مسلم اتنے کم فہم تھے کہ انہیں وہ آیتیں نظر نہ آئیں جنہیں لے کر آج اعتراض اٹھایا جارہا ہے؟کیا یہ ان کے مطالعہ کے وقت قرآن میں موجود نہ تھیں؟ یقیناً موجود تھیں اور ان شاءاللہ تاقیامت رہیں گی، لیکن فرق دیکھنے والے کی آنکھوں کا ہے اگر انصاف کی عینک لگا کر قرآن دیکھا جائے تو وہ حقیقت آشکارا ہوگی، جسے ہم نے گذشتہ صفحات میں بیان کیااوراگر تعصب،تنگ نظری اور نفرت کے چشمہ کو لگا کر قرآن پڑھا جائے تو ظاہر ہے کہ نفرت کا متلاشی اپنے مریض ذہن سے نفرت ہی کے معنی نکالے گااوراسے اچھال کرماحول کو نفرت آمیز بنانے کی کوشش کرے گا،وشو ہندو پریشد کی قرآن کے خلاف مذموم کوشش اسی نفرت پر مبنی مہم کا ایک حصہ ہے، لہٰذا عام برادران وطن کو چاہئے کہ وہ مغالطوں سے متاثر ہوئے بغیر حقیقت کا انصاف سے مطالعہ کریں اور صحیح نتیجہ تک پہنچنے کی کوشش کریں اور نفرت کی گرم بازاری پر روک لگائیں،تاکہ ملک کے بسنے والے ہر مذہب کے لوگوں کے درمیان پیار ومحبت عام ہو،اور یکجہتی اور رواداری پروان چڑھتی رہے،جو ہمارے وطن کی خاص پہچان ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح سمجھ عطا فرمائیں،اور شرور وفتن سے محفوظ رکھیں،آمین۔

(ندائے شاہی،جنوری،فروری ۲۰۰۳ء)

☆......☆......☆

تحریر: حضرت مولانا زبیر احمد ندیمؔ ملی

مرتد وسیم رضوی کے ہذیان اور بکواس کی شر انگیزی سے

ان شاء اللہ خیر وجود میں آئے گا

عزت، شہرت اور دولت کے حصول کے لیے اپنے آپ کو متاعِ کوچہ و بازار بنا کر بے ضمیر افراد کی طرح بیچنے والوں کی کسی دور میں کمی نہیں رہی ہے، اور آج بھی اس کا مظاہرہ ہو رہا ہے کسی شاعر نے کہا ہے ؎

روٹی کے لیے بک جاتے ہو پیسے کے لیے بک جاتے ہو
تم اتنے بے قیمت تو نہ تھے، تم اپنی حقیقت بھول گئے

ایسے ہی بے غیرت، بے ضمیر بے حیا، مرتد وسیم رضوی کا آج کل میڈیا میں بھرپور چرچا ہے، آیئے پہلے وسیم رضوی کے حدود اربعہ کو سمجھنے کے لیے نازش ہما قاسمی کے ایک مضمون ''ہاں میں وسیم رضوی ہوں'' سے ایک اقتباس کا مطالعہ کر لیں، مضمون نگار رقم طراز ہیں۔

''جی! میں مرتد، مردود، ملعون، گستاخ صحابہ اور امہات المؤمنین، قرآن میں تحریف کے لیے سپریم کورٹ جانے والا کافر، شیعہ سینٹرل وقف بورڈ کا سابق چیئرمن، آر ایس ایس کا دلال، حکومت کا ایجنٹ، بابری مسجد کا سوداگر، مدارس اسلامیہ کو دہشت گردی کا اڈہ کہنے والا اور شیعہ وقف بورڈ میں خرد برد کرنے والا افراڈی وسیم رضوی ہوں۔''

اتنے، معائب، مفاسد اور عیوب ونقائص کا مجموعہ ہے۔ وسیم رضوی ؎

گراں ہوں آپ کی کس کس ادا پر

حال ہی میں مرتد وسیم رضوی نے سپریم کورٹ میں قرآن مقدس سے ۲۶/آیات مبارکہ کے تحریف کرنے سے متعلق جورٹ داخل کی ہے۔اس سے دنیا بھر کے تقریباً ڈیڑھ ارب مسلمان اور ۲۰/ ۲۲/کروڑ ہندوستانی مسلمانوں کے دل مجروح ہیں۔ہر طرف سے اس ملعون حرکت پر وسیم رضوی پر تھوتھو ہو رہی ہے۔کہیں سے ایک آواز بھی اس مردود کی حمایت میں نہیں اٹھ سکی،حتیٰ کہ اس کے افراد خانہ نے بھی اسے نکار دیا ہے۔

جس جرم کا ارتکاب اس شیطان لعین نے کیا ہے اس کی بناء پر دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب نے اسے خارج اسلام قرار دیا ہے۔صرف بات دارالعلوم دیوبند کے اس فتوے پر منحصر نہیں ہے،شیعہ سنی،دیوبندی،بریلوی،ہر طرف سے اس کی مذمت کی جا رہی ہے،حتی کہ سیاسی افراد بھی اس گستاخ اور ملعون و مردود شخص کی مذمت کر کے اپنے اتحاد کا مظاہرہ کر رہے ہیں،اور اخبارات میں اس کے سر قلم کرنے پر گیارہ لاکھ روپے کا انعام دیئے جانے کا اعلان بھی سامنے آیا ہے۔

ادیب مالیگانوی مرحوم نے کبھی کہا تھا کہ۔

منتشر تھے تو ندامت کے سوا کچھ بھی نہ تھا

آج سر جوڑ کے بیٹھے تو سر افراز ہو تم

اقلیتی کمیشن کے سابق چیئرمن اور لاء کمیشن آف انڈیا کے سابق رکن پروفیسر طاہر محمود صاحب نے قانونی پہلوؤں کا جائزہ لے کر یہ بیان جاری کیا ہے کہ

”قرآن پاک کے خلاف پٹیشن بذات خود جرم ہے،سپریم کورٹ کو از خود نوٹس لے کر مدّعی کے خلاف تعزیری کارروائی کرنا چاہئے۔“

آج سے کافی عرصہ پہلے کلکتہ ہائی کورٹ میں چاند مل چوپڑا نے بھی قرآن پر پابندی کی رٹ داخل کی تھی۔ مگر اس وقت کلکتہ کے فاضل ججوں نے اس رٹ ہی کو یکلخت کالعدم قرار دے کر کورٹ سے خارج کر دیا تھا۔ یہی کام سپریم کورٹ کے موجودہ ججوں کو کرنا چاہئے۔

اخبارات میں وسیم رضوی کے بارے میں خوش آئند اطلاع یہ بھی آئی ہے کہ ’’وسیم رضوی کی حیاتی قبر توڑ دی گئی، اس مردود کی نہ تو نماز جنازہ پڑھی جائے گی نہ کسی قبرستان میں دفن ہونے دیا جائے گا۔لکھنؤ میں تمام مسالک کے علمائے کرام کا متفقہ فیصلہ۔

ایسے سر پھروں کے لیے اس کے علاوہ اور کیا کہا جائے کہ۔

الٹی سمجھ کسی کو بھی ایسی خدا نہ دے
دے آدمی کو موت مگر یہ ادا نہ دے
ناخن نہ دے خدا تجھے اے پنجۂ جنوں
رکھ دے گا ورنہ عقل کے بخیے اُدھیڑ تو

☆......☆......☆